

## عرض احوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### جرمِ ضعیفی کی سزا

برطانوی حکومت نے شاتم رسول ﷺ سلمان رشدی کو ”سُر“ کا خطاب دے کر اُمتِ مسلمہ کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا جو سامان کیا ہے یہ واقعہ دراصل ان صدمات کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے جن سے نائن الیون کے بعد سے آج تک اُمتِ مسلمہ دوچار ہے۔ قبل ازیں گوانتانامو بے، ابوغریب جیل اور بگرام ایئر بیس پر مسلمان قیدیوں کو ذہنی اذیت دینے کی خاطر امریکی فوجیوں کے ہاتھوں قرآن حکیم کی انتہائی بے حرمتی کے واقعات اور پھر نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے مغربی پریس میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر مسلمانوں کی طرف سے بھرپور احتجاج کے باوجود عالم کفر اُمتِ مسلمہ کو پرکاہ کے برابر حیثیت دینے کو تیار نہیں۔ اور اب اس شخص کو چونگ انسانیت بھی ہے اور اُمتِ مسلمہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت و مذمت شخص بھی، سر کے اعزاز سے نواز کر مسلمانوں کے جذبات کو انتہائی درجے میں ٹھیس پہنچانے کا جو قدم برطانیہ نے اٹھایا ہے وہ دراصل مسلمانوں کی تذلیل کی انتہا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پوری امت اس معاملے میں حمیت و غیرت دینی کے حوالے سے ناموس رسالت کے باب میں شدید جذبات رکھتی ہے، برطانوی حکومت کا اس امر پر اصرار کہ وہ سر کا خطاب واپس نہیں لیں گے دراصل اُمتِ مسلمہ کو صاف الفاظ میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ مسلمانوں کے دینی جذبات و احساسات کی ان کے نزدیک ہرگز کوئی اہمیت نہیں ہے اور وہ گویا ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ کچھ احتجاجی مظاہرے کریں گے اور مذمتی بیانات جاری کریں گے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ان میں نہ کوئی دم غم موجود ہے نہ حقیقی قوت و طاقت۔ لہذا ع ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات! یہ جرمِ ضعیفی ہی کی سزا ہے جو ذلت و رسوائی کی صورت میں آج پوری اُمت پر مسلط ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ایک فرمان کے مطابق دنیا کی محبت اور موت کے ڈر کے باعث اُمت

مسلمہ آج دشمن کے لیے ترنوالہ بن کر رہ گئی ہے۔ بزدلی ہی وہ بیماری ہے جس کی وجہ سے ایک طرف ہم بھارت کے سامنے بچھے جا رہے ہیں تو دوسری طرف امریکہ ہماری قومی سالمیت کو پیروں تلے روند کر ہمارے مدرسوں پر بمباری کر رہا ہے اور ہم ”سب سے پہلے پاکستان“ کا نعرہ لگانے کے باوجود اسے روک نہیں پا رہے۔ اس صورت حال میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ دراصل پوری قوم اور پوری اُمت اس صورت حال کی ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے جب مسلمان قوم اللہ کی کتاب اور اس کی تعلیمات کو نظر انداز کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی روش اختیار کرے، گویا اللہ اُس کے رسولؐ اور اس کے دین کے ساتھ بے وفائی اور غداری کا ارتکاب کرے تو اس پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر غضب الہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں اسی قانون الہی کی طرف اشارہ ہے۔ عذاب کی اس کیفیت سے نکلنے کے لیے ہمیں اللہ کے دین سے وفاداری کی روش اختیار کرتے ہوئے شریعت اور حدود اللہ کی تنفیذ کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا ہوگا۔ پھر اللہ کی تائید و نصرت کی بدولت دنیا کی کوئی طاقت اللہ کا نام لینے والی اُمت کو ذلیل و رسوا نہ کر سکے گی۔ بصورتِ دیگر ہم اسی طرح وقفے وقفے سے احتجاج کرتے رہیں گے اور ہمیں ایک کے بعد دوسرے صدے کا انتظار کرنا ہوگا۔ ۰۰

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلہ تقاریر (۵)

دعوتِ محمدیؐ کا بین الاقوامی مرحلہ

اور

خلافتِ صدیقیؒ میں

انقلابِ نبویؐ کا استحکام

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ﴾ (سبا)..... ﷺ

سیرت النبی ﷺ اور امت مسلمہ کی تاریخ کے سلسلے میں جو تقاریر اب تک ہو چکی ہیں ان میں پہلی دو تقریریں اصولی مباحث پر مشتمل تھیں: (۱) بعثتِ انبیاء کا عمومی مقصد کیا ہے؟ اور (۲) خاتم النبیین، آخر المرسلین، سید الانبیاء اور افضل المرسلین محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بنیادی کیفیات کیا ہیں؟ اس کے پس منظر میں آنحضرت ﷺ کے اصل کارنامہ حیات کا صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں تین باتیں آپ کے

ذہن میں ہوں گی۔

ختم نبوت کا ایک مظہر تو یہ ہے کہ ہدایت اپنے تکمیلی مراحل کو پہنچ گئی ”الہدیٰ“ کی صورت میں — یا بالفاظ دیگر قرآن حکیم کی صورت میں آسمانی ہدایت ہمیشہ ہمیش کے لیے نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا۔ قرآن مجید سے متعلق ان دونوں اُمور کا براہِ راست تعلق ختم نبوت سے ہے۔ ختم نبوت کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک مکمل دین اور ایک مکمل نظامِ زندگی عطا کیا گیا، جو انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ تمدن و تہذیب اور ہیئتِ اجتماعیہ کے ارتقائی مراحل کے دوران انسانی زندگی میں جو گونا گوں قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی گئیں، ان سب کا ایک متوازن اور معتدل حل اور ایک نظامِ عدل و قسط نبی اکرم ﷺ کو دینِ حق کی شکل میں دے دیا گیا، اور آپ کا فرض منصبی یہ قرار پایا کہ اس نظامِ عدل و قسط کو بالفعل قائم کر کے دکھا دیا جائے، تاکہ بنی نوع انسان پر حجت قائم ہو جائے۔ یہ حجت صرف اس اعتبار سے قائم نہ ہو کہ ہدایتِ خداوندی انفرادی زندگی سے متعلق ہے اور صرف انفرادی سیرت و کردار کے ضمن میں کامل ہدایت ملی ہے، بلکہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت اس صورت میں بھی ہو جائے کہ نظامِ اجتماعی سے متعلق بھی جو ہدایت دی گئی، اس کا بھی ایک عملی نمونہ دنیا میں قائم کر کے اور چلا کر دکھا دیا جائے کہ وہ کوئی خیالی جنت (Utopia) نہیں ہے، صرف نظری تعلیم نہیں ہے کہ جو قابلِ عمل نہ ہو، بلکہ وہ قابلِ عمل ہے، وہ نظامِ دنیا میں بڑے وسیع و عریض خطے پر قائم ہوا ہے اور اس کی برکات کا دنیا نے پختہ سر مشاہدہ کیا ہے۔

ختم نبوت کا تیسرا پہلو وہ ہے جس کے لیے آغاز میں دو آیات تلاوت کی گئیں۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پہلے اور آخری نبی و رسول ہیں جن کی بعثت علی الاطلاق پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ آپ سے پہلے کسی نبی اور رسول کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے نہیں تھی۔ ویسے بھی ظاہر ہے کہ اس سے قبل انسانی تمدن نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی، اور رسل و رسائل، حمل و نقل اور ابلاغ کے وسائل و ذرائع بھی اتنے نہیں تھے کہ کسی

ایک دعوت پر بنی نوع انسان کو مجتمع کیا جا سکتا۔ لہذا نبوتیں علاقائی (regional) بھی تھیں اور موقت بھی۔ ایک علاقے میں ایک نبی آئے، انہوں نے دعوت دی، قوم سے بائیں الفاظ خطاب کیا:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهِ غَيْرِ﴾ (الاعراف)  
 ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں ہے۔“

حضرت نوح ہوں یا حضرت ہود، حضرت صالح ہوں یا حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام، قرآن میں ان کی دعوت کا ذکر بار بار ان ہی الفاظ میں آتا ہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے رسول آئے اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے متصلاً قبل حضرت مسیح ﷺ تشریف لائے۔ حضرت مسیح ﷺ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان تقریباً چھ صدیوں کا وقفہ ہے اور یہ نبوت و رسالت کا وقفہ ہے۔ ان چھ صدیوں میں نبوت و رسالت کا دروازہ بند رہا ہے اور پھر ایک دفعہ کھل کر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کو فترۃ اولیٰ کہتے ہیں۔ آخری فترۃ آنحضرت ﷺ پر ہوئی اور اس سے پہلے تمہیداً چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ پورے کرۂ ارضی پر کوئی نبی اور رسول موجود نہیں تھا۔ حضرت مسیح ﷺ کے بارے میں ایک مغالطہ ہو سکتا ہے، اس لیے کہ عیسائیت جیسے کہ دنیا میں آج موجود ہے، ایک بین الاقوامی مذہب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس سے یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ شاید حضرت مسیح ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم کی طرف نہیں تھی۔ اس مغالطے کی اصلاح کر لیجیے۔ قرآن مجید آپ کے بارے میں تعین کے ساتھ کہتا ہے: ﴿رَسُوْلًا اِلٰیٰٓ بِنٰیۤ اِسْرَآءِۤیْلَ.....﴾ (آل عمران: ۴۹) یعنی آپ رسول تھے صرف بنی اسرائیل کی طرف۔ اور لطف یہ ہے کہ انجیل میں یہ الفاظ موجود ہیں:

”میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں!“

حضرت مسیح ﷺ نے جب اپنے حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو اُس وقت آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں انہیں کچھ ہدایات دیں۔ یہ بڑا پیارا خطبہ ہے۔ اس کے بعض

جملے اس طرح کے ہیں:

”تم نے مفت پایا ہے، مفت تقسیم کرو، میں نے تم سے کوئی اجر نہیں لی، تم بھی اپنی دعوت و تبلیغ کی کسی سے اجر و وصول نہیں کرو گے!“

ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ:

”دیکھو! کوئی شخص اپنے بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈالا کرتا۔ میرے پاس ایک پیغام ہے جو صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے۔“

لہذا حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی۔ یہ تو دراصل سینٹ پال تھا جس نے مسیح علیہ السلام کے اصل دین میں جہاں اور تغیر و تبدل کیا وہاں یہ تبدیلی بھی پیدا کی کہ اسے بین الاقوامی مذہب کا درجہ دے دیا۔ ورنہ نبی اکرم ﷺ اس مقدس گروہ انبیاء و رسل میں پہلے اور آخری نبی و رسول ہیں جن کی بعثت پوری نوع انسانی کی طرف علی الاطلاق ہوئی۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء)

”اور ہم نے تو آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

اور:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ﴾ (سبا)

”اور ہم نے تو آپ کو تمام نوع انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔“

اور ایک خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہ خطبہ ”سج البلاغہ“ میں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور کے خطبات میں سے ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

﴿إِنِّي لَرَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَآلِي النَّاسِ كَافَّةً﴾

”لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص (کیونکہ مخاطب اہل عرب ہیں) اور پوری نوع انسانی کی طرف بالعموم!“

جیسا کہ گزشتہ نشست میں بیان کیا جا چکا ہے، بعثت خصوصی کی حد تک جو ذمہ داریاں تھیں وہ تو نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفسِ مکمل کر دیں۔ آپ ﷺ کو دو چیزیں

دے کر بھیجا گیا تھا: ایک الہدیٰ یعنی قرآن مجید اور دوسرے دین حق۔ مقدم الذکر کی تبلیغ پر آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران گواہی لے لی۔ اس کا ذکر گزشتہ نشست میں ہو چکا ہے کہ آپ نے مجمع سے دریافت فرمایا: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ ”لوگو! کیا میں نے پہنچا دیا یا نہیں؟“ اور جواب لے لیا: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاذَيْتَ وَنَصَحْتَ! ”ہاں حضور! ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، حق نصیحت ادا کر دیا، حق خیر خواہی اور حق امانت ادا کر دیا!“ پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ، اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ، اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ!)) ”اے اللہ! تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ!“ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ)) یعنی اب جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کس قدر جامع کلمہ ہے! لفظ ”غائب“ میں وہ بھی آگئے جو اُس وقت کرۂ ارضی پر موجود تھے اور وہ تمام انسان بھی آگئے جو قیام قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ اب یہ امانت میرے کاندھے سے اُتری اور تمہارے کاندھے پر آگئی۔ قرآن مجید میرے پاس امانت تھا، میں نے تم تک پہنچا دیا، اب یہ تمہارے پاس امانت ہے، تم اسے پوری نوع انسانی تک پہنچاؤ!

دوسرا پہلو ہے دین حق کا غلبہ و اقامت۔ اس اعتبار سے بھی ظاہر بات ہے کہ سارے جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کے دین کو غالب کر دینے سے بعثت نبوی کا مقصد تمام و کمال پورا نہیں ہوا، بلکہ اسے پورے کرۂ ارضی پر غالب کرنا مقصود ہے۔ اس اعتبار سے اپنے مقصد بعثت کے اس بین الاقوامی مرحلے (phase) کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس فرما دیا اور اس کی تکمیل دورانِ خلافتِ راشدہ ہوئی۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ یا خلافتِ علی منہاج النبوۃ کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اس کا آغاز کیسے فرمایا۔

گزشتہ نشست کا تتمہ

گزشتہ خطاب میں حیاتِ طیبہ کے مدنی دور کے ضمن میں ایک بات رہ گئی تھی کہ

عرب میں جو یہود آباد تھے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، صلح حدیبیہ فتح مکہ اور غزوہ حنین، یہ مدنی دور کے چھ امتیازی نشانات (land marks) ہیں جن کے بعد جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین غالب ہو گیا۔ اس ضمن میں میں عرض کر چکا ہوں کہ ۹ھ میں حج کے موقع پر سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کی صورت میں یہ اعلان فرما دیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں ہے، صرف چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے، جسے اسلام قبول کرنا ہے وہ کر لے اور جسے اپنے کفر و شرک پر اڑے رہنا ہے وہ جہاں سینگ سمائیں چلا جائے۔ اس کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آیت ۵ میں دو ٹوک انداز میں اعلان فرما دیا گیا کہ:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ.....﴾

”پس جب یہ محترم مہینے ختم ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں تم انہیں پاؤ.....“

یہ معاملہ بنی اسماعیل یا اہل عرب کے لیے تھا، جبکہ یہود کے معاملے میں ایک نرمی برتی گئی۔ گزشتہ نشست میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے یہود کو معاہدوں کے اندر جکڑ لیا۔ یہ بات آپ کے تدبر اور ذوراندیشی کا شاہکار ہے اور منگمری واٹ جیسے مستشرقین نے اس پر آپ کو حد درجہ خراج تحسین پیش کیا ہے۔ دوسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نماز پڑھی گئی اس میں بھی حکمتِ خداوندی کارفرما تھی۔ یہود یہ سمجھے کہ یہ تو ہمارے ہی پیرو ہیں، ہمارے قبیلے کا اتباع کر رہے ہیں، لہذا ان کی طرف سے فوری طور پر مخالفت اور اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی راہ میں مزاحم ہونے کا معاملہ نہیں ہوا، بلکہ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو (wait and see) کا ساعمل رہا ہے۔ بہر حال جب غزوہ بدر ہوا تو دو اعتبارات سے یہود کے کان کھڑے ہوئے۔ ایک تو اس سے متصلاً قبل تحویل قبلہ کا معاملہ ہو گیا۔ حکم ہوا: ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (البقرہ: ۱۴۴) کہ اب اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو! اس پر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو بالکل نئی امت



ہے، جس کی نئی شریعت ہے، نیا قبلہ ہے، نیا مرکز ہے۔ دوسرے بدر کی فتح نے ان کو بھی اب پوری طرح محسوس کر دیا کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جاسکے۔

مدینہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے: (۱) بنو قینقاع (۲) بنو نضیر (۳) بنو قریظہ۔ ان میں سے بنو قینقاع کا پیشہ زرگری تھا۔ وہ سب سے زیادہ امیر بھی تھے اور اتفاقاً سب سے زیادہ بہادر قبیلہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اقدام کیا۔ غزوہ بدر کے فوراً بعد ان کو جو پیش آیا تو ایک یہودی نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی۔ ایک انصاری صحابی نے جوشِ حمیت میں اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس انصاری صحابی کو شہید کر دیا۔ اب معاملہ بڑھا، جس کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ نے فوراً اقدام فرمایا۔ پندرہ دن کا محاصرہ ہوا اور اس کے بعد بنو قینقاع کو وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ یہود کا پہلا قبیلہ تھا جسے جنگ بدر کے فوراً بعد مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔

غزوہ اُحد کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے بعد صورتِ حال بڑی مخدوش ہو گئی تھی۔ دشمنوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے کہ مسلمانوں سے ایسی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ بھی انسان ہی ہیں۔ اگر بدر میں ستر مشرک مارے گئے تھے تو اُحد میں ستر مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ اُن کے حوصلے جو بڑھے تو بنو نضیر نے ایک نئی حرکت کی، اور وہ تھی نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش۔ اُن کی یہی حرکت اُن کی جلا وطنی کی تمہید بن گئی۔

تیسرا قبیلہ رہ گیا بنو قریظہ کا، اُن کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے بڑی نرمی برتی۔ انصار کے ساتھ ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے، خصوصاً حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کے گہرے مراسم تھے۔ لیکن غزوہ خندق کے موقع پر انہوں نے بدعہدی کی۔ وہ تو یوں کہتے کہ حکمتِ خداوندی یا مشیتِ الہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، ورنہ صورتِ حال بڑی خطرناک بن چکی تھی۔ بارہ ہزار کاشکر سامنے تھا اور بنو قریظہ نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان کوئی عہد نہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو اُن کے حلیف اور ان سے قریبی تعلق رکھنے والے تھے، وہی آنحضرت ﷺ کے حکم سے مذاکرات کے لیے گئے

تھے۔ ان سے آپؐ نے فرما دیا تھا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو واپس آ کر مجمع عام میں نہ کہنا، ایسا نہ ہو مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اشارے کنائے میں بتا دیا کہ یہود نے بدعہدی کی ہے۔ لہذا غزوہٴ احزاب کے بعد غزوہٴ بنو قریظہ ہو اور اس قبیلے کو تورات کے احکام کے مطابق اُن کی بدعہدی کی سزا دی گئی۔ چنانچہ ان کے جتنے قابل جنگ مرد تھے ان کو قتل کر دیا گیا اور باقی کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اس طرح مدینہ منورہ سے یہودیوں کا استیصال ہو گیا۔

اس کے بعد ان کا مرکز خیبر بنا، جو پہلے سے بھی یہود کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ یہ تینوں قبیلے جو وہاں پہنچے تو اُن کی ایک جمعیت بن گئی اور وہ اس مرکز سے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ ان ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے اور یہود کی طاقت کو توڑنے کے لیے ۶ھ کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اور ان کا یہ مرکز ختم کر دیا۔ اس طرح اندرون ملک جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ایک طرف مشرکین کے استیصال سے شرک کی مکمل تیخ کٹی ہو گئی اور دوسری طرف یہودیوں کی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ البتہ از روئے: ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (التوبہ) ان کے ساتھ رعایت یہ برتی گئی کہ اگر یہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ یہ رعایت اہل عرب کو نہیں دی گئی۔ ان کے لیے دو ہی متبادل (alternatives) تھے، یا اسلام قبول کرو یا قتل کر دیے جاؤ گے۔ تیسرا اختیار یہ تھا کہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ تو چلے جاؤ، ملک عرب میں رہ نہیں سکتے۔ لیکن یہود کو یہ رعایت دی گئی کہ اسلام کو قبول کر لیں تو ہمارے بھائی اور برابر کے حق دار ہوں گے۔ اگر یہ قبول نہیں ہے تو وہ چھوٹے بن کر رہیں اور جزیہ دیں۔ اس طرح وہ ذمی کی حیثیت سے اسلامی مملکت میں رہ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ گزشتہ نشستوں میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جس قوم کی طرف کسی رسول کی براہ راست بعثت ہوتی ہے، جس میں وہ رسول ہوتا ہے، جس کی زبان بولتا ہو اور آتا ہے، وہ قوم اگر رسول کی دعوت رد کر دے تو اُس قوم

کو پھر کوئی رعایت نہیں دی جاتی۔ دوسری قوم کے لیے اس بنیاد پر کوئی رعایت ہو سکتی ہے کہ اس کے اور اُن کے درمیان کوئی حجاب ہو سکتا ہے۔ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت بالخصوص اہل عرب کی طرف تھی، چنانچہ آیت قرآنی: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعة: ۲) آپ انہی میں سے تھے لہذا اہل عرب پر تو اتمامِ حجت تمام و کمال ہو گیا۔ اُن کے لیے اب کوئی رعایت نہیں، اُن کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا، یا اسلام قبول کریں یا ملک چھوڑ کر چلے جائیں، ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ یہود کے ساتھ جو رعایت برتی گئی اس پر قیاس کرتے ہوئے بعد میں دنیا کی جتنی اقوام ہیں اُن کے ساتھ معاملہ اسی قاعدے کے تحت ہوگا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ ایک بڑی نمایاں بات ہے کہ خلافت راشدہ کے دوران جب مسلمان غلبہ دین کی خاطر جہاد و قتال کے لیے نکلے تو ان کی طرف سے ہمیشہ تین باتیں پیش کی گئیں:

(۱) اسلام لے آؤ تو تم ہمارے بھائی ہو، تمہارے جان و مال اتنے ہی محترم ہوں گے جتنے کسی مسلمان کے ہیں۔

(۲) اگر اسلام نہیں لاتے تو جزیہ دو اور چھوٹے بن کر رہو۔ اس لیے کہ فاسد اور ظالمانہ نظام انسان کو اپنے اندر جکڑ لیتا ہے اور وہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب اور پردہ بن جاتا ہے۔ لہذا اس غلط نظام کو ختم (shatter) کر دیا جائے گا۔ کسی فرد کو کبھی مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنا مذہب ترک کرے اور اسلام قبول کرے، اس کو پوری مذہبی آزادی ہے، لیکن نظامِ اجتماعی اللہ کے دین کے سوا گوارا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ یہ بات فیصلہ الہی ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کے خلاف ہو جائے گی!

(۳) اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں ہیں تو تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی!

## دعوتِ محمدیؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز

اب آگے چلیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز کس طرح کیا۔ حکمتِ تبلیغ کے اعتبار سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے اور یہ بہت اہم

بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی مکہ مکرمہ میں اپنی دعوت کا آغاز فرمایا اسی وقت آپ قیصر و کسریٰ، مقوقس، نجاشی اور دیگر حکمرانوں کو خطوط بھی لکھ سکتے تھے یہ آپ کے لیے ناممکن نہ تھا۔ لیکن یہاں تدریج دیکھیے کہ جب تک جزیرہ نمائے عرب میں آپ نے اپنے قدم مضبوطی سے جما نہیں لیے اور صلح حدیبیہ ہو نہیں گئی، آپ نے اس کام کا آغاز نہیں فرمایا۔ صلح حدیبیہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اب قریش نے محمد رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کر لیا، چاہے آپ نے بظاہر دب کر صلح کی۔ اس اعتبار سے اسے قرآن حکیم میں بھی ”فتح مبین“ قرار دیا گیا۔ یہ موقع تھا کہ اندرون ملک آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کا مرحلہ قریب آ گیا، چنانچہ اب آپ نے سلاطین و ملوک کے نام خطوط کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ ہے حکمت تبلیغ محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ تیرہ برس تک آنحضرت ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مرکوز رکھی اور انبوی میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ گویا جب تک اہل مکہ نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ نہ کر لیا تھا اُس وقت تک آپ نے مکہ سے قدم بھی باہر نہیں رکھا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں تمکن عطا فرمایا تو پورے چھ برس مدینہ میں جدوجہد ہوتی رہی اور جب صلح حدیبیہ کے بعد آپ کی طاقت کو تسلیم کر لیا گیا تو اب آپ نے مختلف بادشاہوں اور رؤساء کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔ آپ کے نامہ ہائے مبارک قیصر روم، کسریٰ (عظیم فارس)، مقوقس (شاہ مصر)، نجاشی (شاہ حبش)، رؤسائے یمن، حارث غسانی (رئیس شام) اور آس پاس کے تمام حکمرانوں اور سلاطین کی طرف گئے ہیں۔

ایران میں اُس وقت خسرو پرویز تخت حکومت پر متمکن تھا اور اپنے پیشرو شہنشاہوں کی طرح ”کسریٰ“ کے لقب سے ملقب تھا۔ اس کی بدبختی کہ حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ جب اُس کے دربار میں خط لے کر گئے تو وہ نہایت برہم ہوا اور نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ کسریٰ عربوں کو اپنی رعیت سمجھتا تھا۔ عربوں کی اُس وقت کوئی حیثیت بھی نہیں تھی۔ اُس وقت روئے ارضی پر دو عظیم طاقتیں (سپر پاورز) تھیں، ایک سلطنتِ روما اور دوسری سلطنتِ فارس۔ عرب کے تمام زرخیز

علاقے ان کے پاس تھے۔ عراق عرب جو بہت زرخیز ہے اس پر ایرانیوں کا تسلط تھا اور شام عرب پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ باقی درمیان میں ”الربع الخالی“ رہ گیا۔ وہ یا تو لُق و دق صحرا ہے یا حجاز کا پہاڑی علاقہ۔ یمن جو زرخیز علاقہ تھا اس پر بھی ایران کا قبضہ تھا اور عرب کی حیثیت صرف آزاد قبائل کی سی تھی کہ حکومتیں ان کے ساتھ زیادہ تعرض نہیں کیا کرتیں، البتہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ قبائل ہمارے زیر اثر ہیں۔ چنانچہ کسریٰ کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ عرب تو میری رعیت ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک عرب کی یہ گستاخی کہ مجھے خط لکھا اور میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا؟ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خط لکھے جاتے تھے ان میں بادشاہ کا نام پہلے ہوتا تھا اور مکتوب نگار کا بعد میں — جبکہ رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک میں بسم اللہ کے بعد پہلے آنحضرت ﷺ کا نام تھا اور بعد میں شاہ کسریٰ کا (مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى كِسْرَى عَظِيمِ فَارَس) — اس پر وہ اس قدر تیش میں آیا کہ خط پھاڑ دیا<sup>(۱)</sup> اور یمن کے حاکم بازان کے نام ایک حکم بھیجا کہ اس شخص کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے ہاں پیش کرو۔ بازان نے دو آدمی روانہ کیے جو آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ بادشاہوں کے بادشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان ایلیچوں کو رات ٹھہرایا اور صبح خبر دے دی کہ تمہارا بادشاہ رات کو اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دینا کہ جلد ہی اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔

قیصر روم کے نام رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لے کر حضرت وحیہ کلبیؓ گئے تھے۔ یہ وہ صحابی ہیں جو انتہائی خوب رو اور خوش شکل تھے، اور ان کا ذکر خاص طور پر اس پہلو سے آتا ہے کہ حضرت جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے تو حضرت وحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اُس وقت یہ جو دو عظیم سلطنتیں تھیں ان کا معاملہ یہ تھا کہ کبھی سلطنت روم کا پلڑا بھاری ہوتا تھا اور کسریٰ

(۱) واضح رہے کہ اُس وقت کسریٰ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کا ترجمہ تھا جسے اُس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور آپ ﷺ کا اصل نام مبارک محفوظ رہا اور آج بھی محفوظ ہے۔ (مرتب)

کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی تھی جبکہ کبھی ایرانی آگے بڑھتے تھے اور رومی پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ رومی تو عیسائی (اہل کتاب) تھے اور ایرانی آتش پرست۔ اور کی دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں یعنی نصاریٰ کے ساتھ ہیں اور ایرانی مشرکین مکہ سے قریب تر ہیں۔ ہوا یہ کہ اُس زمانہ میں ہرقل قیصر روم کو ایرانیوں کے ہاتھوں ایک بڑی شرمناک شکست ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکوں نے گھی کے چراغ جلائے اور بغلیں بجائیں کہ دیکھو مسلمانو! اہل کتاب پسپا ہو گئے۔ اس پر مسلمانوں کے دل بھگ گئے۔ سورۃ الروم کی ابتدائی آیات اسی موضوع پر ہیں:

﴿الْم ۱﴾ غَلِبَتِ الرُّومُ ﴿۲﴾ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَيَغْلِبُونَ ﴿۳﴾ فِي بَضْعِ سِنِينَ ط ﴿۴﴾ (آیات ۱ تا ۴)

’ا ل م۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب کی سرزمین میں۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد جلد ہی غالب ہوں گے۔ چند سالوں میں‘۔

ان آیات میں یہ خوشخبری سنادی گئی کہ وہ مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو جائیں گے اور یہ صرف چند سالوں میں ہوگا۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی جو سچ ثابت ہوئی اور ٹھیک نو سال بعد یہ واقعہ ہوا کہ ادھر مسلمانوں کو معرکہ بدر میں فتح ہوئی اور ادھر قیصر روم کو کسریٰ کے مقابلے میں فتح ہوئی۔ چنانچہ اہل ایمان کے لیے یہ دو طرفہ خوشی تھی۔ تو اس پس منظر کو ذہن میں رکھئے۔

حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر چلے تھے۔ جب آپ دمشق کے قریب پہنچے تو ان کو پتا چلا کہ ہرقل ان دنوں یروشلم میں ہے۔ وہ پایادہ چل کر شکرانہ ادا کرنے کے لیے بیت المقدس آیا تھا۔ رئیس شام حارث غسانی نے حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہرقل کے پاس بیت المقدس بھیج دیا اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اسے پہنچا دیا۔ قیصر روم ہرقل خود تورات و انجیل کا عالم تھا، لہذا خط پڑھتے ہی جان گیا کہ یہ وہی آخری رسول ہیں جن کی بعثت کی ہمارے ہاں پیشین گوئیاں ہیں۔ اس کو بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی، لیکن اس نے کوشش یہ کی کہ جس

طرح کبھی رومۃ الکبریٰ کے شہنشاہ قسطنطین (Constantine) اور اس کی پوری رعایا نے مجموعی طور پر (en bloc) عیسائیت قبول کر لی تھی اسی طرح اب پوری سلطنت روم اسلام قبول کر لے اور میرا اقتدار برقرار رہے۔ اس نے اپنے سرکردہ لوگوں سے یہ معلوم کروایا کہ ان دنوں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ تو نہیں آیا ہوا؟ اُس زمانے میں ابوسفیان (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ایک تجارتی قافلے کے ساتھ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے ان کو طلب کیا گیا اور پوری شان و شوکت کے ساتھ دربار منعقد ہوا۔ قیصر نے اپنے تمام نائبین سلطنت بھی بلا لیے، بطارقہ، قسینین اور احبار و رہبان کو بھی حسب مراتب بٹھایا گیا اور ابوسفیان کو ان کے ہمراہیوں سمیت بلایا گیا۔ پہلے تو دربار میں نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد قیصر نے ابوسفیان سے اس انداز میں سوالات کیے کہ حاضرین کے لیے حق کو پہچان لینا بالکل آسان ہو جائے۔ گویا اُس نے بھرے دربار میں چاہا کہ حق واضح ہو جائے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں سوالات کیے کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ان کا خاندان کیسا ہے؟ ان کے خاندان میں کسی اور نے بھی کبھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب ابوسفیان نے دیا۔ ان کا ایک قول ملتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کا ہے کہ اس مکالمے کے دوران کئی بار میرا جی چاہا کہ جھوٹ بول دوں۔ اس لیے کہ ہرقل کی جرح ایک بڑے ماہر کی جرح تھی اور وہ ہر وہ بات اگوار ہاتھ جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں میں نے سوچا کہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار جھوٹ بول رہا ہے لہذا میں جھوٹ نہ بول سکے۔ ہرقل نے یہ سوال بھی کیا کہ کہیں اُن کے خاندان میں بادشاہت تو نہیں رہی کہ اس کھوئی ہوئی بادشاہت کو حاصل کرنے کے لیے یہ مذہبی سٹنٹ کھڑا کیا ہو؟ آنحضرت ﷺ کے اخلاق و کردار کے متعلق جب اس نے سوال کیا تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ انہوں نے آج تک کوئی جھوٹ نہیں بولا، کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ایک سوال اس نے یہ بھی کیا کہ اس کے پیروکاروں میں اکثریت غرباء کی ہے یا امراء کی؟ جواب ملا غرباء کی! پھر پوچھا: جو شخص اُن پر ایمان لے آتا ہے

کبھی واپس بھی پھرتا ہے؟ جواب ملا آج تک کوئی واپس نہیں پھرا۔ قیصر نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں دریافت کیا تو ابوسفیان نے کہا: ’’وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو‘‘۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ اس مکالمہ کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعے سے یہ تبصرہ کیا: ’’تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے! تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے (تو) پیغمبر کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا‘‘۔

یہ ہے ہرقل قیصر روم کا تبصرہ جو کتب سیر میں محفوظ ہے۔

جب اہل دربار پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ہرقل کا جھکاؤ اسلام کی جانب ہے اور وہ مسلمان ہوا چاہتا ہے، تو اب دربار میں شور برپا ہو گیا۔ عمائدین سلطنت اور اہبار و رُہبان کے نتھنے غیظ و غضب کے باعث پھولنے لگے اور ان کی آنکھیں برہمی و غصہ سے انکارے اُگلنے لگیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہرقل کو اپنے اقتدار کا خطرہ محسوس ہوا اور یہ چیز اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی۔ اُس کو اپنی حکومت زیادہ عزیز تھی۔ چنانچہ اس نے عربوں کو دربار سے اٹھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت دجیہ کلبیؓ کو کسی جواب کے



بغیر واپس جانے کا حکم سنا دیا۔ اس نے اپنے عمائدین سلطنت اور پادریوں سے کہا کہ میں تو تمہارے ایمان کی آزمائش کے لیے یہ مکالمہ کر رہا تھا کہ تم لوگوں میں ایمان موجود ہے بھی یا نہیں! اس طرح ہر قلم محروم رہ گیا اور ایمان نہ لاسکا۔

مقوقس شاہ مصر کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ گئے۔ وہ بھی عیسائی تھا اور اس نے بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔ اگرچہ ایمان وہ بھی نہیں لایا، لیکن اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑے اکرام و تعظیم کا معاملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ کیا بلکہ بطور تحفہ ارسال کیں۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت شیریں رضی اللہ عنہما تھیں۔ دونوں ایمان لے آئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا دلہل بھی مقوقس ہی کا بھیجا ہوا تھا۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا جو مکتوب ارسال فرمایا اس کے جواب میں اُس نے عریضہ بھیجا کہ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں“۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، یہیں موجود تھے، نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کر لی۔

### غزوہ موتہ

شرحبیل بن عمرو جو رؤسائے شام میں سے تھا، اس کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپیل کی حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ گئے۔ اُس نے طیش میں آ کر ان کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل ہمیشہ سے ایک بہت بڑا جرم ہے اور اسے اقدامِ جنگ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بات سلطنتِ روما سے مسلح تصادم کی تمہید بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا لشکر تیار کیا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم دیا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم سنبھال لیں، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ علم سنبھال لیں۔ اگرچہ لشکر میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالار بنایا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام یہ ساری اونچ نیچ ختم کر چکا ہے، قریش کی قرشیت اور ایک آزاد کردہ غلام کے مابین اسلام میں کوئی فرق نہیں

ہے۔ اس تین ہزار کے لشکر کے سامنے شریل بن عمر و ایک لاکھ کی تیار فوج لے کر آ گیا۔ دُنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ گویا ایسے ہی ہے جیسے پاکستان کی امریکہ سے جنگ چھڑ جائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ کا لشکر آ رہا ہے تو انہوں نے مجلس شوریٰ منعقد کی کہ اب کیا کیا جائے؟ اس مشاورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا کہ ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے، فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہمارا مقصد تو شہادت ہے اور اس سے بلند اور مقصد کیا ہوگا؟ اس خطاب کا یہ اثر ہوا کہ جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ چنانچہ جوش ایمانی اور شوق شہادت سے سرشار یہ مختصر سا لشکر ایک لاکھ کی فوج سے ٹکرا گیا۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا۔ جنگ کے دوران ان کے جسم پر نوے زخم آئے اور ان میں سے کوئی پیٹھ پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ کٹ گیا تو دوسرے میں علم سنبھال لیا۔ جب دوسرا بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم اپنے سینے سے لگا لیا تاکہ علم ان کے جیتے جی زمین بوس نہ ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنت میں دو پر عطا فرمادئے جن کے ذریعے وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا لقب جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی بے جگر می سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اس کے بعد صحابہ نے سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار منتخب کیا۔ انہوں نے علم سنبھالتے ہی نہایت پر زور جنگ کی۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، پھر بس ایک چھوٹی سی یمنی تلوار باقی بچی۔ اس نازک صورت حال میں حضرت خالد ایک ایسی جنگی چال کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جس کے ذریعے رومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کو

پیچھے ہٹا لیا جائے کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو، جس میں وہ کامیاب رہے اور بڑی حکمت عملی سے لشکر کو بچا کر واپس لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ عورتیں باہر نکل آئیں اور خاک ڈالی گئی کہ تم اللہ کے راستے میں پیٹھ دکھا کر واپس آئے ہو۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ بنفس نفیس مدینہ سے باہر تشریف لائے، بڑے تپاک سے فوج کا استقبال فرمایا اور یہ ارشاد فرما کر ان کو تسلی دی کہ تم مفروز نہیں ہو، بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو۔ جیسا کہ سورۃ الانفال (آیت ۱۶) میں الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ اگر حکمت عملی کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ جان بچانا مقصود نہ ہو۔

## غزوہ تبوک

غزوہ موتہ کے بعد اب سلطنت روما کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ اس معرکے نے غسانوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں، وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسانوں نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں، دوسری طرف ہرقل نے بھی اپنی چالیس ہزار فوج شام بھیج دی اور خود ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ حمص پہنچ گیا۔ ادھر نبی اکرم ﷺ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ کی طرف سے نفیر عام ہوئی کہ ہر وہ مسلمان جو جنگ کے قابل ہے، نکل کھڑا ہو۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ہر ایک کے لیے نکلنا لازم ہو۔ ترغیب و تشویق ہوتی تھی کہ اللہ کی راہ میں نکلو اور نبی اکرم ﷺ درپیش مہم کے لیے مطلوبہ تعداد کے مطابق خود انتخاب فرمالتے تھے۔ لیکن اس مہم کے لیے حکم ہوا:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ

اللَّهِ﴾ (التوبة: ۴۱)

”نکلو خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں“۔

سورۃ التوبہ میں غزوہ تبوک کے حالات و واقعات پر مفصل تبصرہ موجود ہے۔ اس

ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتَلْتُمْ  
إِلَى الْأَرْضِ طَرَضْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣١﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبَدِلْ قَوْمًا  
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٢﴾﴾ (التوبة)

”اے اہل ایمان! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کا بوجھ بن جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دُنویوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ پس آخرت کے مقابلے میں تو دُنویوی زندگی معمولی متاع سے زیادہ نہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اب آپ اندازہ کر لیں کہ امتحان کس قدر کٹھن تھا! دنی دور میں مسلمانوں کے لیے ایک تو غزوہ احزاب اور دوسرے غزوہ تبوک عظیم ترین آزمائش کے مراحل تھے۔ ۹ھ میں جب غزوہ تبوک کے لیے نفیر عام ہوئی تو سخت گرمی کا موسم تھا اور قحط کا عالم تھا۔ کھجور کی فصل تیار تھی۔ نکل جاتے ہیں تو فصل اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا اور فصل تباہ ہو جائے گی، لگ بھگ سات سو میل کا سفر طے کرنا ہے، ہر ایک کے پاس سواری بھی موجود نہیں ہے۔ اور پھر یہ ٹکراؤ ہے سلطنت روما کے ساتھ۔ اب تک تو معاملہ ایک اور تین کا تھا۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں یہی تناسب تھا۔ غزوہ خندق میں ایک اور دس کا تھا، لیکن یہاں تو کوئی نسبت ہی نہیں۔ مقابلہ سلطنت روما سے ہے۔ ان کے پاس لاکھوں کی تربیت یافتہ فوج ہے اور یہاں دُنویوی اعتبار سے اس کا عشرِ عشر بھی نہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ اہل ایمان کے ایمان کی پوری آزمائش ہوگئی اور منافقین کا پردہ چاک ہو گیا، جو خود بھی جنگ کے لیے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے تھے۔ وہ اہل ایمان سے بڑے ہی ناصحانہ انداز میں کہتے تھے: ﴿لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ط﴾ ”اس

سخت گرمی میں نہ نکلو!“ اُن کے مقابلے میں مسلمانوں سے جواب دلوایا گیا کہ: ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا﴾ (التوبة: ۸۱) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے“۔ اب خود دیکھ لو، یہ گرمی برداشت کر لو یا وہ (جہنم کی)۔ بعض لوگوں نے اس طرح کے فقرے چست کیے جو غزوہ بدر کے موقع پر بھی کہے گئے تھے: ﴿عَرَّ هُوَ لَاءِ دِينِهِمْ﴾ (الانفال: ۴۹) ”ان کے دین نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے“۔ ان لوگوں کی تو مت ماری گئی ہے، یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ جواب دلوایا گیا:

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنِيِّ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ بَأْيَدِنَا فَنَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ﴾ (التوبة)

”کہو تم ہمارے متعلق دو بھلائیوں میں سے کسی ایک ہی کے منتظر ہو سکتے ہو، جبکہ ہم تمہارے متعلق اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا تمہیں اپنے کسی عذاب میں مبتلا کرے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے، پس تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں“۔

گویا ہماری تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اگر ہم سب شہید ہو جائیں تو بہت بڑی کامیابی ہے اور اگر کامیاب ہو کر لوٹ آئے تو تم بھی مانو گے کہ کامیاب ہیں۔ ہمارے لیے تو ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں!

بہر حال نبی اکرم ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ منزل پر منزل طے کرتے ہوئے شام اور عرب کی سرحد (تبوک) تک پہنچ گئے۔ ہر قیل پانچ چھ لاکھ کی فوج کے ساتھ موجود تھا، لیکن مقابلے میں نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہچان چکا تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوہ موتہ میں بھی وہ پیچھے ہی رہا تھا اور خود دیکھتا رہا کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے، اور اب تو محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس آگئے تھے۔ چنانچہ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے

تمام فوجیں واپس ہٹا کر مسلح تصادم کا ہر امکان روک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس سے زائد اقدام نہیں فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس دن تک مقیم رہے تاکہ قیصر روم اگر مقابلے میں آنا چاہے تو آئے۔ اس طرح لشکر اسلام کو زبردست اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی۔ اس دوران آس پاس کے رؤساء آتے رہے، کسی نے اسلام قبول کر لیا اور کسی نے اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح آنحضرت ﷺ پورے علاقے پر اپنی دھاک قائم کر کے واپس تشریف لے آئے۔

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا ہے تو سلطنت روم سے لکر او کے لیے جیش اسامہ تیار تھا۔ گویا سلطنت روم کے ساتھ تصادم کا آغاز خلافت راشدہ میں نہیں ہوا، اس پورے عمل کا آغاز محمد رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس فرمایا ہے۔ جیش اسامہ صرف اس وجہ سے رکا رہا کہ نبی اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ یہ ہے دراصل اس عمل کا نقطہ آغاز جو بعد میں دوران خلافت راشدہ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔

### خلافتِ صدیقی میں انقلابِ نبویؐ کا استحکام

اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ خلافت راشدہ درحقیقت خلافتِ علیٰ منہاج النبوة ہے۔ میں ان شاء اللہ آئندہ اس کے بعض انتہائی اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا۔ اسلامی تاریخ کے بارے میں جو مغالطے ان لوگوں کے دلوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں، ان کا ازالہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت خلافت راشدہ سے بدظنی پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض نوجوان یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ خلافت راشدہ میں کیا رکھا تھا، سارا زمانہ باہمی خانہ جنگی کی نذر ہو گیا! یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر خلافت راشدہ کی نفی ہو جائے تو نبی اکرم ﷺ کے پورے کارنامے کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اصل حجت تو یہ ہے کہ ایک اجتماعی نظام کو چلا کر دکھا دیا جائے، اور یہ تقاضا اگر تمام و کمال پورا ہوا ہے تو وہ

دورانِ خلافت راشدہ پورا ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی اپنی حیات طیبہ میں تو انقلاب کی تکمیل ہوئی تھی، ابھی اس کی برکات کا ظہور پورے طور پر نہیں ہوا تھا۔

کسی بھی انقلاب کے بعد اس کو مستحکم (consolidate) کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی مشیت تھی اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کا اختیار (choice) تھا کہ آپ نے اس دنیا میں مزید قیام کرنا گوارا نہ کیا، ورنہ ہمارا تو جی چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے انقلاب کی تکمیل کے بعد کچھ اور عرصہ اس دنیا میں مقیم رہتے، تاکہ جو لوگ ایک کثیر تعداد میں ایمان لائے تھے اور جن کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ (النصر) ان لوگوں کی بذات خود تربیت فرماتے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد ہر وہ لمحہ جو اس دنیا میں بیت رہا تھا وہ آپ پر انتہائی شاق تھا۔ بس جوں ہی فرض منصبی کی تکمیل ہوئی، لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ كَمَا فَرَضَ مَكْمَلٌ هُوَا، ادھر اللہ کی طرف سے اس کی شہادت بھی آگئی کہ: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳) اور ادھر آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے بھی شہادت لے لی کہ: ”أَنَا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَأَدَيْتَ وَنَصَحْتَ“ اور آنحضرت ﷺ نے ((اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى)) کہہ کر اس دنیا سے رخصت کی درخواست کر دی۔

ویسے تو نبی اکرم ﷺ کو اس حیاتِ دُنیوی کے دوران بھی اللہ سے کوئی بُعْد نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب تمام و کمال حاصل تھا۔ پھر بھی ایک حجاب اور پردہ تو موجود تھا، لہذا آپ اب مزید وقت کے لیے دنیا میں رہنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے بعد کل ۸۲۸۰ دن ہیں جو آپ ﷺ کے اس حیاتِ دُنیوی میں گزرے۔ مرض الموت کے دوران جب ذرا افاقہ ہوا تو آپ ﷺ حجۃ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے اشارے سے منع فرما دیا اور خود حضرت ابو بکر کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اب یہ معاملہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی امامت میں حضرت ابو بکر کو وسع و سجدہ کر رہے ہیں اور ابو بکر کی

امامت میں ساری جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس کے الفاظ یوں ہیں: ”اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور اس کی نعمتوں میں سے حصہ پائے، اور چاہے تو اللہ کے پاس آ جائے۔ اللہ کے بندے نے دوسری بات قبول کر لی!“ — حضرت ابو بکرؓ رو پڑے۔ چونکہ وہ مزاج شناس رسول تھے اس لیے بات کو سمجھ گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جو آخری وقت ہے اس میں ایک تو یہ الفاظ بار بار زبان پر آئے: ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (النساء: ۶۹) ”اُن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جن کو اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا“ — اور آخری وقت کے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں:

اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى — اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى

میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر میدانِ حشر میں کہیں موقع ملا تو رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کریں گے کہ آپ نے اس سلسلہ میں جذبہٴ محبت خداوندی کے غلبے کی وجہ سے جلدی کی۔ ابھی یہاں بڑی ضرورت تھی کہ انقلاب کا استحکام ہوتا اور مبتدی لوگوں کی تربیت ہوتی۔ پھر ان نئے ایمان لانے والے قبیلوں کو کسوٹی پر پرکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد ﴿يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ کی بجائے ”يُخْرَجُونَ مِنْ دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا“ کا معاملہ ہو گیا اور لاکھوں لوگ مرتد ہو گئے۔ ارتداد کا فتنہ کوئی فتنہ سافتنہ تھا! نئے نبیوں کا دعوائے نبوت شروع ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت بڑی جنگ ہوئی۔ مانعین زکوٰۃ اُٹھ کھڑے ہوئے کہ نماز پڑھو لولیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت مبارکہ کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ اس نحیف الجثہ شخصیت کے پردے میں کیسی چٹان جیسی مضبوط اور پہاڑ جیسی بلند شخصیت موجود تھی۔ شاید حکمتِ خداوندی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت کا اظہار مقصود تھا کہ مدعیانِ نبوت اور مانعین زکوٰۃ جیسے عظیم فتنے کھڑے ہو گئے ورنہ شاید دنیا کو معلوم نہ ہوتا کہ ابو بکرؓ کی رفیقِ القلب شخصیت کے اندر کیسا فولادی انسان پنہاں ہے!



یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہر انقلاب کے بعد اس کا ایک ردِ عمل ضرور ہوتا ہے اور انقلاب مخالف عناصر ابھرتے ہیں۔ مخالف قوتیں جب دیکھتی ہیں کہ ہم اس انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے تو وہ دیک جایا کرتی ہیں اور اپنے اوپر اس انقلاب کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ موقع کی تاک میں رہتی ہیں کہ جب بھی موقع ملے گا ہم مناسب اقدام کریں گے۔ ان قوتوں کو counter یا reactionary forces کہتے ہیں۔ ایسی قوتوں کے لیے اس سے زیادہ سازگار فضا اور کیا ہوگی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں صدمے کی کیفیت کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا تصور بھی نہیں کرتے ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہو گیا کہ جذبات سے مغلوب ہو کر تلوار سونت کر بیٹھ گئے کہ جس شخص نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اور جلالِ فاروقی کے سامنے کس کو دم مارنے کی مجال تھی؟ تمام لوگ دم بخود تھے۔ اس نازک صورت حال کو سنبھالنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آئے، سیدھے حجرے میں گئے، آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو بوسہ دیا اور خطبہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا عَبْدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ (۱)

”خبردار! جو کوئی محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا تو (اسے مطمئن رہنا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے موت نہیں آئے گی!“

ذرا اندازہ تو کیجیے کہ اُس وقت جو صورت حال درپیش تھی اس میں یہ جملہ کہنے کے لیے کس قدر حوصلہ درکار تھا! اس کے لیے چپتے کے جگر کی ضرورت تھی۔ یہ وہی ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی رقیقِ القلمی کا یہ عالم ہے کہ غزوہ بدر میں مشورہ دیا کہ ان قیدیوں کو معاف کر دیا

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذنا خلیلاً۔

جائے۔ جن کی رائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رائے میں کوئی فرق نہیں۔ پوری تاریخ کے دوران کہیں آپ کو یہ نظر نہیں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کی رائے ایک ہو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوسری ہو۔ یہ ان ہی کا مقام تھا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد مذکورہ جملہ کہہ سکتے۔ یہ جملہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے روئیں روئیں میں توحید خداوندی رچ بس گئی ہو۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا  
وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ (آل عمران)

’اور محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو تم اٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اور جو بھی اٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا، اور اللہ بدلہ دے گا شکر گزاروں کو‘۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار نیام میں چلی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس قدر شواہد موجود ہیں کہ جب تک کوئی شخص ڈھٹائی، ضد اور تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں پر نہ باندھ لے وہ ابوبکر کی خلافت کا انکار نہیں کر سکتا۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمائی، اور اس امامت کو آج کی امامت پر قیاس نہ کیجیے گا۔ وہ ہماری یہ امامت نہ تھی جس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کہہ گئے ہیں:۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے

اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور رکعت کے امام!

وہ دور رکعت کی امامت نہ تھی، وہاں دین و دنیا کی وحدت تھی۔ مسجد نبوی کے امام اول محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران ہی خلیفہ رسول نے

امامت کرائی۔ آنحضرت ﷺ نے مسجد نبویؐ کے صحن میں تمام جھروکے بند کروادیے تھے سوائے حضرت ابوبکرؓ کے جھروکے کے۔ آپ ﷺ نے مرض الموت میں خطبہ ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کی جان و مال نے مجھے جتنا فائدہ پہنچایا کسی اور کی جان و مال نے نہیں پہنچایا۔ ان تمام شواہد کے بعد بھی اگر یہ کہا جائے کہ راہنمائی نہیں تھی تو کتنا غلط ہے! اگرچہ یہ ضرور ہے کہ حکم موجود نہیں تھا۔ آپؐ یہ معاملہ ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ کے اصول پر چھوڑ گئے کہ اب مسلمانوں کا معاملہ ان کے حوالے ہے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے ایک اُمت تشکیل دی، اور وہ ایسی اُمت نہیں ہے کہ جسے شعور نہ ہو اور وہ برے بھلے کی پہچان سے عاری ہو۔ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم وہ جماعت تھی جس کی تربیت نبی اکرم ﷺ نے فرمائی۔ اور یہ جماعت جانتی تھی کہ کون کس چیز کا اہل ہے۔ لہذا اُس وقت جو سب سے زیادہ اہل تھا اُس کو منتخب کر لیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کا بار اٹھانے کے بعد لوگوں کو تاکید کی کہ نہ تو مجھے خلیفۃ اللہ کہا جائے اور نہ ہی خلیفۃ المسلمین میں تو خلیفۃ الرسول (اللہ کے رسول کا خلیفہ) ہوں۔ یعنی جو مشن محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا تھا اُسی کی تکمیل میرا مقصد زندگی ہے۔ خلافتِ راشدہ عام معنی میں ہیبتِ حاکمہ نہیں تھی کہ صرف مسلمانوں کی حکومت ہو اور قیام امن کے لیے کوئی انتظام ہو۔ یہ اُمور بھی اُس کے اجزاء میں شامل تھے، لیکن اصل مقصد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل تھا۔ اسی لیے اس کو ”خلافت علیٰ منہاج النبوة“ کہا گیا ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا گیا، نبی اکرم ﷺ کی دو بعثتیں ہیں، ایک اِلٰی اَہْلِ الْعَرَبِ اور دوسرے اِلٰی کَافَّةِ النَّاسِ۔ اہل عرب کی حد تک تمام فرائض نبی اکرم ﷺ نے خود ادا کر دیے اور دوسرے عمل کا آغاز فرما کر آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ ادارہ خلافت وجود میں آیا۔ اس خلافت راشدہ میں پہلی خلافت، خلافتِ ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس ضمن میں آپؐ کا اصل حصہ (contribution) یہ ہے کہ اندرون ملک عرب انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کے بعد اس کو

سبوتاژ کرنے کی خاطر اٹھنے والی تمام مخالفانہ قوتوں کے ساتھ نبرد آزما ہو کر اور ان سب کو کچل کر انقلابِ محمدیؐ کو مستحکم بنا دیا۔ اس کے بعد ابو بکر صدیقؓ بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زندگی میں اگرچہ انقلابِ محمدیؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا اجراء تو ہو چکا تھا لیکن اس کا اصل دور خلافتِ عمرؓ کا دور ہے۔ اس کا آغاز محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا، تھوڑی سی پیش رفت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں ہوئی۔ شامی فتوحات کے سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ لیکن اصل توسیع دورِ فاروقیؓ اور دورِ عثمانیؓ میں ہوئی۔

انقلابِ نبویؐ کو مستحکم کرنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف سے جس عزیمت کا معاملہ ہوا ہے اس کو حضرت عمرؓ سے تقابل کر کے دیکھئے۔ مانعینِ زکوٰۃ کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اُس وقت کے حالات کی شدت کے پیش نظر مصلحتِ بنی کا مشورہ دیا کہ یہ چوکھی جنگ ایک دم شروع نہ کیجیے۔ مسلمانوں کے دل زخمی ہیں اور حوصلے پست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی جدائی سے طبیعتیں بہت پڑمردہ اور مضطرب ہیں۔ ایک طرف نئی نبوت کے دعوے دار ہیں اور دوسری طرف مانعینِ زکوٰۃ۔ آپ مدعیانِ نبوت کے خلاف نبرد آزما ہو جائیے اور مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں نرمی اختیار کیجیے۔ اس لیے کہ انہوں نے توحیدِ خداوندی کا انکار نہیں کیا، محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کیا، نماز کا انکار نہیں کیا، صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے مصلحت کو پیش نظر رکھیے۔ نیز جیشِ اُسامہ کو روانہ نہ کیجیے۔ حضرت ابو بکرؓ کا جواب تھا کہ جو جھنڈا نبی اکرم ﷺ نے کھول دیا میں اسے کیسے تہہ کر سکتا ہوں؟ پھر یہ خلافت تو نہ ہوئی اور ان کے مشن کی طرف کوئی اقدام تو نہ ہوا! آپ ﷺ کے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لے لوں تو خلافت کا کیا فائدہ؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی:

((أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي

دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ)) (۱)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں تا آنکہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ یہ کر لیں گے تو میری طرف سے اُن کے جان و مال سوائے اسلامی قانون کے محفوظ ہو جائیں گے اور اُن کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے!“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اہل عرب کے ساتھ جنگ اگر بند ہو سکتی ہے تو مندرجہ بالا تین شرائط کی بنیاد پر جو کم از کم ہیں اور میں ان میں کوئی ترمیم کرنے کے لیے تیار نہیں! یہ ہے وہ عزیمت جس کے حامل ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ اگر کوئی میرے ساتھ نہ نکلے گا تو میں تنہا جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال ہوئی اور آپ تمام مخالفانہ قوتوں کو پچل کر اندرون ملک اس انقلاب کو مستحکم کر گئے۔ مشیت الہی کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اگر یہ استحکام خود رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ہوا ہوتا تو ممکن ہے کہ خلافت راشدہ کا عہد تیس برس کی بجائے تین سو برس تک جاری رہتا۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

کیا عجب مشیت ایزدی کا یہی منشا ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتی عظمت نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ اگر یہ تمام مراحل محمد رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس طے کر دیے ہوتے تو ابو بکر صدیق کی عظمت کیسے نمایاں ہوتی؟ اس اللہ کے بندے نے تو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران اپنے آپ کو اس طرح گم کر دیا تھا کہ ان کا آنحضرت ﷺ سے کہیں جدا گانہ تشخیص نظر نہیں آتا۔

بہر حال یہ کارنامہ صدیقی ہے جو تمہید بنا ہے اس بات کے لیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکسو ہو کر انقلابِ نبوی کے بین الاقوامی مرحلے کی طرف متوجہ ہو گئے؛ جس کا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة واتوا الزكاة فخلوا سبيلهم۔ و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله۔

ایک سیلاب اٹھ آیا۔ اسی سیلاب کے متعلق علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا:۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذراں ہماری

تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

اس پر ”إن شاء اللہ“ آئندہ نشست میں گفتگو ہوگی، جس میں خلافتِ فاروقی و عثمانی اور

خاص طور پر ”الفتنة الكبرى“ یعنی شہادتِ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور اس کے

بعد جو حالات و واقعات پیش آئے، وہ بیان کیے جائیں گے۔

اقول قولى هذا واستغفر الله لى ولكم ولسائر المسلمين. والمسلمات

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين. 00

تعمیر سیرت

# نبی اکرم ﷺ کا اسلوبِ خطابت

عتیق الرحمن صدیقی

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:  
﴿يَأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَكُمْ تَفْعَلُ فَمَا  
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الْكٰفِرِينَ﴾ (المائدة)

”اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ (لوگوں تک) پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا، اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچالے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَاتِمَّا عَلَيْكَ الْبَلِّغُ وَعَالَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد)

”بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔“

سورۃ النحل میں آنحضرت ﷺ سے کہا گیا:

﴿أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بَاتِلَىٰ هِيَ  
أَحْسَنُ ط﴾ (آیت ۱۲۵)

”(اے رسول!) لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانا ئی اور اچھی نصیحت

کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔“

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿وَأَنَّ الَّذِينَ أَوْرِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ﴾ فَلِذَلِكَ  
فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۚ﴾ (آیات ۱۵۱۴)

”اور جن لوگوں نے ورثہ میں کتاب پائی ہے ان کے پیچھے وہ اس کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو بلائیے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔“

نبی کریم ﷺ کی منصبی ذمہ داریوں کو گنواتے ہوئے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَمَيِّ ضَلَّلٍ مُبِينٍ﴾ (الجمعة)

”وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کو جو مراتب عالیہ عطا ہوئے ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿بِأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُبِينًا﴾ (الاحزاب)

”اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر اور اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔“

اول الذکر دو آیات میں محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغام بر کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ پر جو وحی نازل کی جا رہی ہے آپ اسے لوگوں تک بلا کم و کاست پہنچادیں، یہی منصب رسالت کا اقتضاء ہے۔ اس کے بعد کی دو آیتوں میں فرمایا گیا کہ آپ داعی ہیں، بھلے انداز میں لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے اور اگر مباحثہ کی نوبت آجائے تو آپ مستحسن انداز اپنائیے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ پانچویں آیت میں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں کہ آپ مزمکی بھی ہیں اور کتاب و حکمت کے معلم بھی۔ چھٹی آیت میں آپ ﷺ کو شاہد، مبشر اور حق کے داعی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آغاز بعثت میں فرمایا گیا تھا کہ:

﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا تَقْبَلُهُ﴾ (المزمل)

”یقیناً ہم تم پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔“



اور سورۃ المدثر میں کہا گیا کہ:

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾

”اٹھو! پس خبردار کرو! اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو!“

یعنی کمر بستہ ہو کر اٹھو اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی قوم کو انذار کرو اور اللہ کی کبریائی و یکتائی کا اعلان کرو۔ اور پھر آپ ﷺ نے بعثت سے آخری سانس تک جو عمل پیہم کیا اور متواتر کیا وہ دعوت کا عمل ہے۔

دعوت کے عمل میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز ہائے کار سے استفادہ کیا، مختلف مواقع پر مختلف اسالیب اختیار کیے، مگر تقریر اور خطابت کا اسلوب ہر مرحلہ میں حاوی رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، کسی بھی چیز کی تشریح اور توضیح میں اس کا کردار خاصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہم تقریر کو گفتگو یا وعظ کا متماثل بھی قرار دے سکتے ہیں مگر ان تینوں میں ایک جوہری فرق بھی موجود ہے۔ دو افراد کے درمیان مکالمہ یا تبادلہ خیال کی صورت ہو تو وہ گفتگو کہلائے گی۔ وعظ بالعموم پند و موعظت سے لبریز ہوتا ہے، مگر اس کے مقابلہ میں تقریر انظہار مدعا کی ایک مربوط اور منضبط شکل ہے جس میں مقرر مختلف نکات کے عقدوں کو نکتہ بہ نکتہ کھولتا چلا جاتا ہے۔ تقریر کو عربی میں خطبہ (خ کی پیش کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے خطبہ کے معنی دیباچہ، کتاب اور مقدمہ، کتاب کے بھی ہوتے ہیں، مگر معروف معنی وعظ و نصیحت اور تقریر ہی کے ہیں۔ عام طور پر خطبے میں وعظ و تذکیر اور خیر و بھلائی کی تلقین ہی کی جاتی ہے۔ خطیب اپنے بیان کو اثر انگیز اور کیف زاہنانے کے لیے زبان و بیان کے تمام ذرائع کام میں لاتا ہے اور طلاقِ لسانی کے جملہ ہنر آزماتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فریضہ رسالت کی ذمہ داری سونپی گئی اور انذار و تبلیغ کے لیے انہیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تو وہ اس بارگراں کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بارگاہِ رب العزت میں یوں دست بدعا ہوئے:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۚ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

لِسَانِي ۙ يَفْقَهُوا قَوْلِي﴾ (طہ)

”اے میرے رب! میرے سینے کو میرے لیے کھول دے، اور میری مہم کو میرے لیے آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، کہ لوگ میری بات سمجھیں۔“

ایک تو انہوں نے بڑی دلسوزی کے ساتھ شرح صدر کے لیے دعا فرمائی تاکہ ایک بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی اضطراب و تردد اور خلش باقی نہ رہے، مشکل آسان ہو جائے اور حالات مساعد ہو جائیں۔ ان کی دوسری دعا قوتِ اظہار و بیان عطا کیے جانے کے بارے میں تھی اس لیے کہ اُس دور میں ابلاغ کا واحد ذریعہ خطابت ہی تھا اور جو ہر خطابت سے پوری طرح مرصع ہوئے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ قیادت و سیادت کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا ہو سکیں۔ حضرت موسیٰ ؑ زبان آور خطیب نہ تھے، مگر دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے خطابت کی ضرورت و اہمیت سے صرف نظر کیا جانا ممکن بھی نہ تھا، اس لیے انہوں نے اس کمی کا احساس کرتے ہوئے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون ؑ کو ان کا معاون اور شریک کار بنادے، اس لیے کہ وہ زیادہ فصیح اللسان تھے:

﴿وَإِخْوِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ﴾ (القصص)

”اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اس کو ایک معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ بھیجے کہ وہ میری تائید کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔“

یہی بات سورۃ الشعراء میں یوں مذکور ہوئی ہے:

﴿وَيَصِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسَلْ إِلَىٰ هَارُونَ﴾ (الشعراء)

”اور میرا سینہ بھینچتا ہے اور میری زبان رواں نہیں ہے تو ہارون کے پاس پیغام بھیج۔“

فریضہ رسالت و نبوت کے لیے خطابت کا وصف ضروری تھا۔ دین کے اسرار و حقائق کی تفہیم اور موثر پیرائے میں دوسروں تک بات پہنچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ زباں رواں ہو اور کلام پر قدرت حاصل ہو۔ چنانچہ ایک طرف حضرت موسیٰ ؑ کو بھائی کی معاونت میسر آگئی اور دوسری طرف اللہ نے انہیں فصاحت بھی عطا کر دی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ ”آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ کمزوری دور ہوگئی تھی اور وہ خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ قرآن اور بائبل میں ان کے بعد کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت اور طاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔“ (طہ حاشیہ ۱۵)

حسنِ انسانیت ﷺ کو بارگاہِ الہی سے خطابت کا یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا چنانچہ

آپؐ نے تحدیثِ نعت کے طور پر اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا:

”میں فصیح ترین عرب ہوں، میں کلماتِ جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ (اگرچہ عرب کے تمام قبیلے فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کرتے تھے، مگر دو قبیلے ایسے تھے جو اس وصف میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، آپؐ نے بنو ہوازن کے ایک قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا) میں تم میں فصیح ترین ہوں، قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔ (طبقات ابن سعد، بحوالہ سیرت النبی، جلد دوم، از مولانا شبلی نعمانی)

عرب معاشرے میں خطابت کے وصف کو بڑا اعزاز حاصل تھا، ان کی خطابت مسلم تھی، وہ اپنی فصاحت اور زبان آوری پر بڑے نازاں تھے، اپنی طلاقت لسانی کے سامنے تمام دنیا کو بیچ سکتے تھے، اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام قوموں کو محکم یعنی ڈولیدہ بیان تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد عربیؐ کو خطابت کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے لہجے میں عربی فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے خطبات کا انداز بالکل سادہ تھا اور تکلف و تصنع سے ماوراء بالکل فطری نوعیت کا تھا۔ آپؐ نہ تو خطباء کا کوئی مخصوص لباس پہنتے تھے اور نہ حجرے سے نکلنے وقت ان کے ساتھ کوئی نقیب ہوتا تھا، ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا۔ مسجد میں خطبہ دیتے وقت آپؐ کے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا اور جب میدانِ جنگ میں تقرر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کمان پر ٹیک لگا لیتے تھے۔ ضرورت پیش آ جاتی تو آپؐ فی البدیہہ خطبہ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ حالات کے تناظر میں موقع کی مناسبت سے خطبہ دیتے تھے، کبھی زمین پر، کبھی منبر پر بیٹھ کر، کبھی درخت سے ٹیک لگا کر اور گا ہے اونٹ پر سوار ہو کر جیسا بھی موقع پیش آیا آپؐ نے خطبہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے طویل خطبے بھی دیے ہیں مگر بالعموم آپؐ کے خطبات مختصر ہوتے تھے۔ اس بات کا پورا خیال رکھتے تھے کہ سامعین کی قوت ارتکاز قائم رہے اور وہ تکان و بوریٹ کا شکار نہ ہونے پائیں۔

خطبہ کے اسلوب کے بارے میں ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر آتے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے السلام علیکم کہتے، حمد باری تعالیٰ سے خطبے کا آغاز کرتے اور پھر قرآن کریم کی کوئی سورت تلاوت فرماتے اور پھر اس کی وضاحت کرتے۔ آپ ﷺ عورتوں سے علیحدہ خطاب فرماتے تھے، ہند و موعتت کی باتیں اخباری

فقروں میں بیان فرماتے، لیکن جب کلام کو زیادہ مؤثر بنانا مقصود ہوتا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع کرتے۔ غزوہ حنین اور حجۃ الوداع کے خطبات میں آپ ﷺ نے تسنیل کا طریق اختیار کیا۔ آواز میں اتار چڑھاؤ موجود رہتا تھا، جوش بیان کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی، غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی فوج کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں۔ (مسلم)

جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا۔ (ابن ماجہ) ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چمکنے کی آواز آتی تھی۔ (مسند ابن حنبل) کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے، کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس قسم کی پُر جوش حالت کی ان الفاظ میں نہایت صحیح تصویر کھینچی ہے:

”آحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، فرما رہے تھے کہ ”خداوند صاحب جبروت آسمان وزمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا“۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے۔ آپ کا جسم مبارک کبھی دائیں کبھی بائیں جھلکتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا نچلا حصہ بھی اس قدر بل رہا تھا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کو لے کر گرتو نہیں پڑے گا“۔ (ابن ماجہ ذکر المبعث)

حضور نبی کریم ﷺ کے خطبوں میں جلال کی کیفیت بھی ہوتی اور جمال کی بھی۔ اللہ کے قہر و غضب کی بات ہوتی تو جلال ہو پیدا ہوتا، اس کی رحمت اور جوہد و کرم کا ذکر ہوتا تو جمال نمایاں ہوتا۔ آپ کے بیٹھے بیٹھے بول دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے، دل و دماغ کی کایا پلٹ جاتی، ایسی حلاوت ہوتی جو دلوں کے تاروں کو جوڑتی اور رحوں کو سرشار کر دیتی۔ کلمات جامع ہوتے جیسے کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہو۔ حکمت بھی اور دانش بھی اور معنوی وسعت بھی، خطابت کی تمام خصوصیات خطبہ میں سمٹ آتیں۔

غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت کا بیشتر حصہ نو مسلم اہل مکہ کو دے دیا گیا، یہ عمل ان کی تالیف قلب کے لیے کیا گیا تھا، مگر بعض انصاری نوجوان اس پر آزرده ہوئے۔ اپنی ناگواری کا اظہار اس انداز میں کیا کہ ”خدا پیغمبر کی مغفرت کرنے فریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے“ حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔“ آحضرت ﷺ کو جب اس گفتگو کا علم ہوا تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا، حقیقت معلوم کی۔ پتا چلا کہ بعض نوجوانوں نے ایسی بات کی ہے، صائب الرائے لوگوں نے ایسی کوئی تبصرہ آرائی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایسا

پُرْتَا شیر خطبہ دیا جو فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے فرمایا:

”اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا؟ پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تمہیں مجتمع کیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا؟“

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے ”خدا اور اس کا رسول بہت امین ہیں“۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہم نے تمہاری غم خواری کی!“

اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

”کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ؟ خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جسے تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔ اس پر تمام انصار پکار اٹھے ”رضینا“ یعنی ہم سب راضی ہیں۔ (سیرت النبی ﷺ، جلد دوم، از شبلی نعمانی)

حضور نبی کریم ﷺ کے کلام میں ترتیل اور ترسیل پائی جاتی تھی، آپ کی گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا تھا، اگر کوئی ان کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ”كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَلَامًا فَضْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ“ (۱)۔ آپ ﷺ عجلت سے ہرگز کام نہیں لیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت طویل گفتگو کی یا طویل خطبہ دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ اگر وہ میانہ روی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں گفتگو میں اختصار کروں، کیونکہ اختصار بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے تکلف آمیز گفتگو سے بھی منع فرمایا اور کہا کہ خدا اس بلیغ آدمی کو مغبوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح نیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر گھاس کھاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص اسلوب کلام میں اس لیے ادل بدل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے، خدا قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح جب چند لوگوں کے سامنے بات کہی جائے تو

التفات ایک ہی طرف نہ رہے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تاکہ دوسروں کو عدم التفات کی شکایت پیدا نہ ہو جائے۔

خطیب کا اہم وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کی نبض شناس انگلیاں سامعین کی نفسیات پر ہوں، وہ ان کے میلانات اور رجحانات کا ادراک رکھتا ہو، موقع کی نزاکت کو محسوس کرتا ہو، حالات کا پس منظر اس کے سامنے ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع احکامات کا ایک سادہ سا مجموعہ ہے، مگر سلاست، روانی، شستگی و شائستگی کا ایک شاندار موقع ہے، تجسس کو ابھارتا ہے، حیرت و استعجاب کی کیفیت کو نمود دیتا ہے اور مزید کچھ جاننے کے لیے سامع کو آپ ﷺ کے جنبش لب کا منظر رکھتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”لوگو! سنو، کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔“ سادہ سا جملہ ہے، سب کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ پیرایہ اظہار سوچوں کو مہمیز دینے لگتا ہے۔ فرمایا: ”مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال سب مسلمانوں پر حرام ہے۔“ اس بات کو نہایت بلیغ طریقہ سے ادا فرمایا۔ سوال و جواب کی تکنیک اختیار کی: ”کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور اس کے رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ یوم الحرام ہے۔ جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے کہا: ”بلد الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”شہر حرام ہے۔“ اس جاندار دل آویز اور تیرافزا تمہید کے بعد آپ ﷺ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا: ”خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ میں اس شہر میں اس دن کی حرمت کی طرح حرام کی ہے۔ دیکھنا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔“ پھر آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی: ”تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ سادہ لفظوں، واضح جملوں اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کر دیتے تھے۔ اخلاقی وعظ کے لیے ویسے بھی بیچ دار ترکیبوں، شاندار لفظوں اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مدینہ منورہ میں آ کر سب سے پہلا فقرہ جو زبان مبارک سے نکلا، وہ یہ تھا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ))

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِالسَّلَامِ)) (۱)

’لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے‘۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان فرمائیں:

’ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے، وہی قسمت کو بلند و پست کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے خدا کا پردہ نور ہے‘۔

جمعہ کے خطبوں میں رسول اللہ ﷺ عام طور پر زہد و رفاق، حسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید اور صفات الہی بیان کرتے تھے۔ دوران ہفتہ کوئی مہتمم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے مطابق دیا کرتے تھے۔ آفتاب میں گہن لگا اور اتفاق سے اسی دن آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی، لوگوں نے اس وفات کو گہن آفتاب کے ساتھ جوڑنا چاہا تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس کے پہلے جملہ یہ تھے: ’’حمد و ثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دونشایاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے‘‘۔ آخر میں فرمایا: ’’میں نے دوزخ میں ابو تمامہ عمرہ بن مالک کو دیکھا تو یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے، حالانکہ وہ خدا کی نشانیاں ہیں، جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تاکہ وہ صاف ہو جائے‘‘۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خطبات میں بلا کی تاثیر ہوتی، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں کے لیے موم ہو جاتے تھے۔ مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورۃ النجم کی آیات تلاوت کر کے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ (صحیح بخاری)

غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر منافقین کی سازش سے مہاجرین و انصار دست مگر بیاں ہونے کو تھے، عین موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا پر اثر خطبہ دیا کہ دونوں قبیلے شکر و شکر ہو گئے۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ۔

واقعہ اِکْ میں اوس و خزرج میں اتنا اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبویؐ میں تلواریں نیام سے نکلنے کا خدشہ پیدا ہو گیا، مگر آپ ﷺ کی اثر انگیز تقریر سے برادرانہ محبت کی لہریں پھر سے جاری ہو گئیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

((وَعَطْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ

مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ .....))<sup>(۱)</sup>

”ایک روز صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا مؤثر وعظ کہا کہ

آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھا.....“

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ)) ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!“ یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو یہ بھی ہوش نہ رہا کہ آپؐ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ (سنن النسائي)

### اخذ واستفادہ:

- ☆ سیرت النبی ﷺ، جلد اول و دوم، شبلی نعمانی۔
- ☆ تفہیم القرآن، جلد سوم۔
- ☆ خطبات رسول ﷺ، رفیع الدین ہاشمی۔
- ☆ تدبر قرآن، جلد پنجم۔
- ☆ دعوتِ اسلام، از پروفیسر ٹی ڈبلیو آرملڈ۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع۔



# خواتین کی اصل عظمت اور حقوق

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

☆ نجمیتر نوید احمد

اس سلسلے کا پہلا مضمون ”خواتین کی اصل عظمت اور حقوق۔ قرآن حکیم کی روشنی میں“ اپریل کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

دسمبر ۲۰۰۶ء کو پاکستان میں حدود آرڈیننس کا ”تنبیہی بل“ نافذ کیا گیا، لیکن اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے ”تحفظ حقوق نسواں“ کا نام دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بل میں نہ تو خواتین کے اصل حقوق کا ذکر ہے اور نہ تحفظ۔ خواتین کے اصل حقوق وہ ہیں جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے یا جن کا بیان نبی اکرم ﷺ کے مبارک ارشادات میں آیا ہے۔ اس سے قبل ایک تحریر کے ذریعہ خواتین کی اصل عظمت اور حقوق قرآن حکیم کی روشنی میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب اس تحریر کے ذریعہ ہم ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں خواتین کی عظمت اور حقوق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

## ارشادات نبوی ﷺ کی اہمیت

نبی اکرم ﷺ تمام جہان والوں کے لیے رحمت اور بالخصوص اہل ایمان کے لیے رحمت و شفقت اور محبت کا پیکر ہیں۔ ارشادات باری تعالیٰ ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء)

”اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة)

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

”تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن پر گراں گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔“

اُمّت کی خواتین رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہیں اور آپ ﷺ سے بڑھ کر اُن کا خیر خواہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ اس حقیقت پر ہماری بہنوں کو یقین کی دولت عطا فرمائے۔ آمین! آئیے دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ خواتین کو کیا عظمت عطا کی اور کن حقوق سے سرفراز فرمایا۔

### خواتین کے تقدس و احترام کا بیان

نبی اکرم ﷺ نے خواتین کی عظمت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

((حُبِّ اَلِیِّ مِنَ الدُّنْیَا النَّسَاءُ وَالطَّیْبُ وَجُعَلْ قُرَّةُ عَیْنِی فِی الصَّلَاةِ))<sup>(۱)</sup>  
 ”دنیا کی چیزوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں اور خوشبو ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“

اللہ سے مناجات کے دوران نبی کریم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْرَجُ حَقَّ الضَّعِیْفِیْنَ: اَلْیَتِیْمِ وَالْمَرْءَةِ))<sup>(۲)</sup>  
 ”اے اللہ! میں لوگوں کو دو وضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا): ایک یتیم اور دوسری عورت۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اَنَّ امْرَاةً وُجِدَتْ فِیْ بَعْضِ مَعَازِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَقْتُوْلَةً فَانْكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَتْلَ النَّسَاءِ وَالصَّبِیَّانِ<sup>(۳)</sup>

”رسول اللہ ﷺ نے غزوات کے دوران ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ آپ ﷺ نے (افسوس کرتے ہوئے) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔“

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے حوالے سے خواتین کی رائے کے احترام کا حکم دیا:

((لَا تَنْكَحُ الْاِیْمَ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تَنْكَحُ الْبِکْرَ حَتّٰی تُسْتَاذَنَ)) قَالُوْا: یَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَيْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ: ((اَنْ تَسْكُتَ))<sup>(۴)</sup>

”جس عورت کا ایک بار نکاح ہو چکا ہو (اور پھر شوہر کی موت یا طلاق ہو جانے کی وجہ

سے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنا ہو) تو اُس کا نکاح اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اُس سے وضاحت کے ساتھ زبان سے اجازت نہ لے لی جائے اور جس (بالغ) لڑکی کا نکاح پہلے نہیں ہوا ہے اُس کا نکاح اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اُس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اُس کی اجازت کیسے ہوگی (یعنی وہ تو شرم کی وجہ سے بول بھی نہ سکے گی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اُس کی جانب سے یہی اجازت سمجھی جائے گی کہ جب اُس سے اجازت لی جائے تو خاموش رہ جائے۔“

عَنْ حَسَاءِ بِنْتِ خَدَّامِ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ تَيْبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَآتَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا (۹)

حضرت حساء بنت خدام انصاریہؓ سے روایت ہے کہ اُن کے والد نے اُن کا نکاح کر دیا، جبکہ وہ شوہر دیدہ تھیں۔ اُنہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے اُن کے نکاح کو ختم کر دیا۔“

## خواتین کے لیے خوش کن بشارتیں

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں خواتین کے لیے بڑے اجر و ثواب کی بشارتیں دیں:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوَّجَهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ)) (۶)  
”جو خاتون اس حال میں وفات پاگئی کہ اُس کا شوہر اُس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“

((إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ حَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا قَبِلَ لَهَا ادْخُلَى الْجَنَّةِ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئَتْ)) (۷)  
”عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور پاک دامن رہے اور (شرعی امور میں) اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ جس دروازے سے تو چاہے جنت میں داخل ہو جا۔“

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ أَمْ أَفْلا نَجَاهِدُ؟ قَالَ: ((لَا، لَكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ

حَجٌّ مَبْرُورٌ)) (۸)

اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں، تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل جہاد حج مبرور ہے۔“  
نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے لیے اہم ترین ذمہ داری گھر کے امور کی انجام دہی ہے:

((..... وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَالِدِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ

مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (۹)

”..... اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اُس کی اولاد کی نگران ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔“  
اگر خواتین اپنے گھر کے امور ذمہ داری سے ادا کریں تو انہیں گھر میں رہ کر اتنا اجر و ثواب ملے گا جو مردوں کو باہر نکل کر مشقتیں اٹھانے سے ملتا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ النِّسَاءُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْنَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِالْفُضْلِ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَفَمَا لَنَا عَمَلٌ نُدْرِكُ بِهِ عَمَلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَهْنَةٌ إِحْدَاكُنَّ فِي بَيْتِهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ خواتین اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مرد جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر فضیلت لے گئے۔ کیا ہمارے لیے کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برابر اجر تک پہنچادے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کا (مجاہد کے گھر کی حفاظت کے لیے) اپنے گھر پر رکنا تمہیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برابر اجر تک پہنچادے گا۔“

((وَمَا عَبَدتْ امْرَأَةٌ رَبَّهَا مِثْلَ أَنْ تَعْبُدَهُ فِي بَيْتِهَا)) (۱۱)

”ایک عورت اپنے رب کی جو عبادت اپنے گھر میں کرتی ہے اس سے بڑھ کر اُس کے لیے کوئی عبادت نہیں ہے۔“

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدِ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّهَا آتَتْ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ  
فَقَالَتْ يَا بِي أَيْ أَنْتَ وَأُمِّي إِنِّي وَافِدَةٌ لِلنِّسَاءِ إِلَيْكَ، وَعَلِمَ نَفْسِي لَكَ  
الْفِدَاءُ؛ أَنَّهُ مَا مِنْ أُمْرَأَةٍ كَانَتْ فِي شَرْقٍ وَلَا غَرْبٍ سَمِعَتْ بِمُخْرَجِي هَذَا  
إِلَّا وَهِيَ عَلَى مِثْلِ رَأْيِي، إِنَّ اللَّهَ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِلَى الرَّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَأَمَّا  
بِكَ وَبِالْهَيْكِ الَّذِي أَرْسَلَكَ، وَنَحْنُ مَعَشَرُ النِّسَاءِ مَحْضُورَاتٌ  
مَقْضُورَاتٌ، قَوَاعِدُ بِيُوتِكُمْ، وَمُقْضَى شَهَوَاتِكُمْ، وَحَامِلَاتُ أَوْلَادِكُمْ،  
وَأَنْتُمْ مَعَاشِرُ الرَّجَالِ فَضَلْتُمْ عَلَيْنَا بِالْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَاتِ، وَعِيَادَةِ  
الْمَرْضَى، وَشُهُودِ الْجَنَائِزِ، وَالْحَجِّ بَعْدَ الْحَجِّ، وَأَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ الْجِهَادُ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ مُرَابِطًا  
حَفِظْنَا لَكُمْ أَمْوَالَكُمْ، وَغَزَلْنَا لَكُمْ أَثْوَابَكُمْ، وَرَبَّيْنَا لَكُمْ أَوْلَادَكُمْ، فَمَا  
نُشَارِكُكُمْ فِي الْأَجْرِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ؟ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى  
أَصْحَابِهِ بِوَجْهِهِ كُلِّهِ ثُمَّ قَالَ: ((هَلْ سَمِعْتُمْ مَقَالََةَ أُمْرَأَةٍ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْ  
مَسْأَلَتِهَا فِي أَمْرِ دِينِهَا مِنْ هَذِهِ؟)) فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا ظَنَّا أَنْ  
أُمْرَأَةً تَهْتَدِي إِلَى مِثْلِ هَذَا؟ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ لَهَا:  
((أَنْصُرْنِي أَيَّتُهَا الْمُرَأَةُ وَأَعْلِمِي مَنْ خَلْفَكَ مِنَ النِّسَاءِ أَنَّ حُسْنَ تَبَعُلِ  
إِحْدَاكُنْ لِرُؤُوجِهَا وَطَلَبِهَا مَرَضَاتِهِ وَاتِّبَاعِهَا مَوَافِقَتِهِ يَعْدِلُ ذَلِكَ كُلُّهُ))  
فَادْبَرَتِ الْمُرَأَةُ وَهِيَ تَهَلِّلُ وَتُكَبِّرُ اسْتِشَارًا (۱۲)

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے اور عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان۔ مجھے خواتین کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور جان لیجیے کہ میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حفاظت کے لیے فدا ہے۔ بے شک مشرق و مغرب کی جن خواتین کی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سنیں گے وہ یہی رائے رکھتی ہیں جو میں گزارش کر رہی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مردوں اور خواتین دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اُس معبود پر بھی جس نے

آپ ﷺ کو بھیجا۔ ہم خواتین کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر بند رہنے والی اور گھروں میں رکنے اور بیٹھنے والی ہیں۔ ہم مردوں کی خواہشات پوری کرنے والی اور اُن کے بچوں کا بار اُٹھانے والی ہیں۔ اے مردوں کی جماعت! تم ہم سے سبقت لے گئے جمعہ و جماعت، مریضوں کی عیادت، جنازوں میں حاضری، حج کے بعد حج کرنے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے۔ جب تم میں سے کوئی مرد گھر سے نکلتا ہے حج یا عمرے یا جنگ کے لیے تو ہم حفاظت کرتی ہیں تمہارے مالوں کی اور تیار کرتی ہیں تمہارے لباس اور سنبھالتی ہیں تمہارے بچوں کو۔ تو کیا اجر میں ہمیں بھی آپ مردوں کے ساتھ حصہ ملے گا اے اللہ کے رسول ﷺ؟ نبی اکرم ﷺ اپنے پورے رُخ انور کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی خاتون کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟“ تمام صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارا گمان نہیں تھا کہ ایک خاتون اس درجہ تک ہدایت پاسکتی ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”اے اسماء! میری مدد کرو اور جن خواتین نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اُن کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح اپنے شوہر کے حقوق ادا کرنا، اُس کو خوش رکھنا اور اُس کے ساتھ سازگاری کی فضا قائم رکھنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں“۔ حضرت اسماءؓ اللہ کا ذکر اور تکبیر کرتی ہوئی خوشی خوشی واپس چلی گئیں۔

### پاکیزہ سیرت و کردار کے لیے رہنمائی

نبی اکرم ﷺ خواتین کی رہنمائی و ہدایت کو جو اہمیت دیتے تھے اُس کا کسی درجہ میں اندازہ آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات سے کیا جاسکتا ہے:

(( طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ )) (۱۳)

”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور خاتون پر فرض ہے“۔

(( عَلِّمُوا رِجَالَكُمْ سُورَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوا نِسَاءَكُمْ سُورَةَ النُّورِ )) (۱۴)

”اپنے مردوں کو سورہ مائدہ اور خواتین کو سورہ نور سکھاؤ“۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : غَلَبْنَا عَلَيْكَ الرَّجَالَ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ

نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ:  
 ((مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تَقْدِمُ ثَلَاثَةَ مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ))

فَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَأَنْتَيْنِ؟ فَقَالَ: ((وَأَنْتَيْنِ)) (۱۵)

”خواتین نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ اکثر مردوں میں گھرے رہتے ہیں، ایک دن آپ ﷺ ہمارے لیے مخصوص فرمادیں (تا کہ ہم بھی آپ ﷺ کے ارشادات سے فیض حاصل کر سکیں)۔ آپ ﷺ نے طے فرمایا کہ ایک روز خواتین کے لیے مخصوص کریں گے اور انہیں وعظ و نصیحت کریں گے۔ ایک دن آپ ﷺ نے انہیں بشارت دی کہ: ”تم میں سے جس کسی نے تین بچوں کی پرورش کی تو یہ عمل اُس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گا۔“ ایک خاتون نے دریافت کیا کہ اگر دو بچے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہاں دو بچوں کے لیے بھی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ عیدین کے موقع پر خواتین کے لیے علیحدہ سے وعظ و نصیحت کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عباس روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى فَصَلَّى

ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ آتَى النِّسَاءَ فَوَعظَهُنَّ وَذَكَرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ (۱۶)

”میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عید الفطریا عید الاضحیٰ کے دن (نماز کی ادائیگی کے لیے) گیا۔ پس آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، خطبہ ارشاد فرمایا، پھر خواتین کی طرف آئے، انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔“

خواتین کو وعظ و نصیحت کرنے کی اہمیت مسلم شریف کے ایک خطبہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) ”اور اپنے قریبی رشتے داروں کو خبردار کیجئے“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بلایا، پس اُن کے عام و خاص سب جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے قریش کے ہر خاندان کو جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے عمل کرنے کی تلقین کی۔ اس خطبہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراءؓ کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

(( يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ

أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِسَبَلِهَا )) (۱۷)

’اے فاطمہ! اپنی جان کو آگ سے بچاؤ، اس لیے کہ میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ (میری) رشتہ داری ہے جسے میں (دنیا کی حد تک) ضرور ملحوظ رکھوں گا۔‘

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشاداتِ عالیہ میں ایک صالح بیوی کے پاکیزہ سیرت و کردار کو یوں واضح فرمایا:

قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ : ((الَّتِي تَسْرُهُ إِذَا نَظَرَ

وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ)) (۱۸)

اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا: عورتوں میں کون سی عورت اچھی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’جو اپنے شوہر کو خوش کرے جب بھی وہ اس کی طرف دیکھے، اور اُس کا کہنا مانے جب بھی وہ کوئی حکم دے (جو خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی جان اور مال سے ایسا کام نہ کرے جو شوہر کو برا لگے۔‘

(( مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا

أَطَاعَتُهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتَهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبْرَتَهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا

نَصَحْتُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ )) (۱۹)

’مؤمن بندے نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو اُس کے حق میں نیک بیوی سے بڑھ کر ہو۔ (پھر آپ ﷺ نے نیک بیوی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اگر شوہر اُسے حکم دے (جو خلاف شرع نہ ہو) تو اُس کا کہنا مانے، اور جب شوہر اُس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کرے، اور اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم کھا بیٹھے کہ ضرورتاً ایسا کروگی (اور وہ شرعاً جائز ہو) تو اُس کی قسم سچی کر دے، اور اگر وہ کہیں چلا جائے اور یہ اُس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اُس کے مال کے بارے میں اُس کی خیر خواہی کرے۔‘

ایک سفر کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا مال کون سا ہے جسے ہم حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:



((أَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِينُهُ عَلَى إِيْمَانِهِ)) (۲۰)  
 ”سب سے بہتر شے ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور وہ مؤمن بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اُس کے ایمان کے حوالے سے۔“

نیکیوں میں مدد کرنے کے حوالے سے ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ فرمایا:

(( رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَاقْبَطَ امْرَأَتَهُ؛ فَإِنْ ابْتِ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ؛ رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاقْبَطَتْ زَوْجَهَا؛ فَإِنْ أَبِي نَضَحَتْ فِي وَجْهِ الْمَاءِ)) (۲۱)

”اللہ رحم فرمائے اُس شخص پر جو رات میں بیدار ہوا پھر اُس نے نماز پڑھی اور جگایا اپنی بیوی کو بھی، پھر اگر اُس نے جاگنے میں دیر کی تو اُس کے چہرے پر پانی کے چھینے مارے۔ اللہ رحم فرمائے اُس خاتون پر جو رات میں بیدار ہوئی، پھر اُس نے نماز پڑھی اور جگایا اپنے شوہر کو بھی، پھر اگر اُس نے جاگنے میں دیر کی تو اُس کے چہرے پر پانی کے چھینے مارے۔“

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نیک سیرت خواتین کی یوں تحسین فرمائی:

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَجَبُنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءٍ قُرَيْشٍ أَخْنَاهُ عَلِيٌّ وَلَدِي فِي صِغَرِهِ وَارْعَاهُ عَلِيٌّ زَوْجٌ فِي ذَاتِ يَدِهِ)) (۲۲)

”جو خواتین اونٹوں پر سوار ہوئیں اُن میں سب سے بہتر قریش کی خواتین ہیں جو بچپن میں اولاد پر سب خواتین سے زیادہ شفقت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال کی سب سے زیادہ نگہداشت رکھنے والی ہیں۔“

یہ تو ترغیب کا انداز تھا۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اُن خواتین کے لیے ترہیب کا اسلوب اختیار فرمایا جو اپنے شوہروں کو ناراض کرتی ہیں:

((إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهًا لِذَلِكَ لَعْنَتْهَا كُلُّ مَلَكَ فِي

السَّمَاءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ حَتَّى تَرْجِعَ)) (۲۳)

”بے شک جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اُس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن و انس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے اُس پر پھوکار بھیجتی ہے، جب تک کہ وہ واپس لوٹ کر نہ آئے۔“

((مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزَّيْنَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا نُورَ لَهَا)) (٢٤)

”اپنے شوہر کے علاوہ دوسروں کے لیے بناؤ سنگھار کرنے کے بعد نازخڑے سے چلنی والی عورت اس طرح ہے جیسے قیامت کے دن کا اندھیرا جس میں روشنی کا شائبہ تک نہیں۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں خواتین کو پاکیزہ اخلاق اختیار کرنے کے لیے ترہیب و ترغیب اس طرح دی گئی:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ فُلَانَةَ يُذَكِّرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: ((هِيَ فِي النَّارِ)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَإِنَّ فُلَانَةَ يُذَكِّرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَنْوَارِ مِنَ الْأَقْطِ وَلَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: ((هِيَ فِي الْجَنَّةِ)) (٢٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ ایک عورت ہے جس کی نماز روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ عورت دوزخ میں ہے۔“ پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ایک اور عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”وہ جنت میں جانے والی ہے۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی اجازت دی، لیکن فرمایا:

((لَا تَسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُخْرَجَ فِي جَيْشٍ كَذَا وَكَذَا وَأَمْرًا نِي تُرِيدُ الْحَجَّ، فَقَالَ: ((أُخْرَجَ مَعَهَا)) (٢٦)

”کوئی عورت سفر نہ کرے مگر یہ کہ اُس کے ساتھ محرم ہو، اور کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے پاس نہ جائے مگر جب عورت کے ساتھ اُس کا محرم ہو“۔ پھر ایک شخص نے کہا: میں ایک لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے جانا چاہتا ہوں جبکہ میری بیوی حج کے لیے جانا چاہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بیوی کے ساتھ جاؤ“۔

اس حدیث مبارکہ میں سفر سے مراد ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تَسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا)) (۲۷)

”کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے، جائز نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور ایک رات کا سفر اختیار کرے“۔

اس حدیث کی روشنی میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ایئر ہوٹس کی ملازمت کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو راستے میں چلنے کے دوران پاکیزگی اختیار کرنے کی نصیحت اس طرح کی:

((اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْفُقْنَ الطَّرِيقَ ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيقِ)) فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ حَتَّىٰ إِنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوقِهَا بِهِ)) (۲۸)

”تم پیچھے ہو جاؤ، تمہارے لیے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے تم راستے کے کنارے چلو“۔ چنانچہ اس حکم کے بعد خاتون بالکل دیوار سے لگ جاتی، یہاں تک کہ اُس کی چادر دیوار سے الجھتی تھی۔

خواتین کے لیے پسندیدہ ہے کہ نماز گھر میں پڑھیں، لیکن اگر جمعہ میں وعظ سننے کی نیت سے آنا چاہیں تو منع بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهِنَّ تَفِلَاتُ)) (۲۹)

”اللہ کی بندویوں کو مساجد میں آنے سے نہ روکو، لیکن انہیں چاہیے کہ اس طرح نکلیں کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں“۔

((الْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً)) (۳۰)

’جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے‘۔  
 ((لَا تَقْبَلُ صَلَاةَ لِمَرْأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهَذَا الْمَسْجِدِ حَتَّى تَرْجِعَ فَنُغْتَسِلَ  
 عُسَلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ)) (۳۱)

’اُس عورت کی نماز قبول نہ ہوگی جو مسجد میں جانے کے لیے خوشبو لگائے جب تک کہ  
 ایسا غسل نہ کرے جیسا غسل ناپاکی دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے‘۔

((طِيبُ الرَّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ  
 وَخَفِيَ رِيحُهُ)) (۳۲)

’مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو تیز اور رنگت ہلکی ہو اور خواتین کے لیے وہ خوشبو ہے  
 جس کی رنگت تیز اور بو کم ہو‘۔

رسول اللہ ﷺ اس بات کو پاکیزہ کردار کے منافی سمجھتے تھے کہ خواتین یا مرد ایک  
 دوسرے کی مشابہت اختیار کریں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

لَعْنُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْمُتَشَبِهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَ الْمُتَشَبِهَاتِ مِنَ  
 النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (۳۳)

’رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں  
 (یعنی اُن کا سالباس اور انداز اپنائیں) اور اُن عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت  
 اختیار کریں‘۔

اللہ کے رسول ﷺ مردوں کی طرح خواتین سے بھی بیعت لیتے تھے تاکہ انہیں نیکی اور  
 تقویٰ کے کاموں میں شرکت کا احساس دلائیں۔ موطا امام مالکؓ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ  
 چند خواتین نے آپ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد عرض کیا:

هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ (۳۴)

’آئیے ہم آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کریں اے اللہ کے رسول ﷺ!‘

گویا خواتین بھی مردوں کی طرح آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتی تھیں۔ جواب میں  
 آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ؛ إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِمَرْأَةٍ  
 وَاحِدَةٍ)) (۳۵)

”بے شک میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا (جو میں نے زبان سے کہہ دیا سب کے لیے لازم ہو گیا اور الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ) سو خواتین سے (بھی) میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہنا ہے۔“

## حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے ہدایات

خواتین کے لیے سب سے اہم معاملہ اپنے ناموس کی حفاظت ہے۔ اس پر حملہ زندگی بھر کا داغ دے جاتا ہے۔ حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خصوصی ہدایات عطا فرمائیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ)) (۳۶)

”کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور اسی طرح کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے۔ نیز دو مرد یا دو عورتیں ایک ہی کپڑے میں نہ لیٹیں،“

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر ہاتھ پاؤں اور چہرے کی ٹکیہ کے علاوہ پورا جسم ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے اور ہاتھ کے۔ البتہ عورت کے لیے عورت کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصْرِي (۳۷)

”حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟) تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُدھر سے نگاہ پھیر لوں۔“

ہمیں خود بھی چاہیے کہ چست یا ایسے باریک کپڑے کا لباس نہ پہنیں جس سے ستر میں شامل اعضاء نمایاں ہو جائیں۔

خواتین کی آواز میں بھی مردوں کے لیے کشش ہے۔ لہذا ان کے ناموس کی حفاظت کے

لیے اُن کی آواز کا بھی پردہ ہے اور انہیں بلا ضرورت مردوں سے گفتگو کی اجازت نہیں۔ اگر وہ مسجد میں موجود ہوں اور امام صاحب سے غلطی ہو جائے تو آواز سے نہیں بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام صاحب کو متوجہ کریں گی جبکہ مرد کہیں گے ”سبحان اللہ“۔ اس سلسلے میں ارشادِ نبوی ہے:

((التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ)) (۳۸)

”مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور خواتین کو ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔“

حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو گھروں پر رہنے کی تلقین فرمائی:

((الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشِرْ فَهِيَ الشَّيْطَانُ)) (۳۹)

”عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو اُسے شیطان تکنے لگتا ہے۔“

عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ أَنَّهَا جَاءَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ

إِنِّي أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ، قَالَ: ((قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تُحِبِّينَ الصَّلَاةَ مَعِيَ

وَصَلَاةُكَ فِي بَيْتِكَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ صَلَاةِكَ فِي حُجْرَتِكَ، وَصَلَاةُكَ

فِي حُجْرَتِكَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ صَلَاةِكَ فِي دَارِكَ، وَصَلَاةُكَ فِي دَارِكَ خَيْرٌ

لَكَ مِنْ صَلَاةِكَ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكَ، وَصَلَاةُكَ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكَ خَيْرٌ

لَكَ مِنْ صَلَاةِكَ فِي مَسْجِدِي))؛

حضرت امّ حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت

القدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جی چاہتا ہے کہ

آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے معلوم ہے کہ تم میرے

ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہارا ایک گوشے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم

اپنے حجرے میں نماز پڑھو اور تمہارا حجرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم گھر کے

آگن میں نماز پڑھو اور تمہارا گھر کے آگن میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے

محلے کی مسجد میں نماز پڑھو اور تمہارا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم

میری مسجد (یعنی جامع مسجد) میں نماز پڑھو۔“

اللہ کے رسول ﷺ تو فرما رہے ہیں کہ خواتین کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ نماز بھی گھر کے

اندرونی حصہ میں پڑھیں جبکہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ بعض خواتین لاؤڈ سپیکر پر محافلِ میلاد

کے دوران سیرت کے واقعات اور نعتیں پڑھتی ہیں جن کو نامحرم مرد سن رہے ہوتے ہیں۔ میڈیا پر آ کر دروس دیتی ہیں، دینی موضوعات پر تقاریر کرتی ہیں اور نعتیں پڑھتی ہیں۔ یہ طرزِ عمل باعثِ اجرو ثواب نہیں بلکہ ناپسندیدہ ہے۔

گھروں میں خواتین کی حرمت کا پاس رکھنے کا حکم آپ ﷺ نے اس طرح دیا:  
 ((ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ : مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُ وَالذَّيُّوْتُ  
 الَّذِي يُقْرِ فِي أَهْلِهِ الْعَجَبُ)) (۴۱)

”تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی: ایک وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے، دوسرا وہ جو ماں باپ کو تکلیف دیتا ہے اور تیسرا وہ جو اپنے گھر والوں میں ناپاک کام (یعنی زنا اور اُس کی طرف بلانے والی چیزوں مثلاً بے پردگی، نامحرموں سے میل جول وغیرہ) کو برقرار رکھتا ہے۔“

گویا مردوں پر لازم ہے کہ گھروں میں شرعی پردہ کا اہتمام کریں، یعنی گھر کی خواتین نامحرم مردوں کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ نہ آئیں اور نہ ہی میڈیا پر ڈراموں، اشتہارات اور کھیلوں کو دیکھ کر نامحرم مردوں میں دلچسپی لیں۔

((لَا تَلْحُقُوا عَلَى الْمُغِيَّبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِّ)) قُلْنَا وَمِنْكَ؟ قَالَ: ((وَمِنْى وَلَكِنَّ اللَّهَ آعَانِى عَلَيْهِ فَاسَلَّمَ)) (۴۲)  
 ”جن خواتین کے شوہر گھروں میں موجود نہ ہوں اُن کے ہاں مت داخل ہوں، کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔“ ہم نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے جسم میں بھی؟ فرمایا: ”ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اُس پر مدد کی اور میں نے اسے اپنا مطیع بنا لیا۔“

((لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ)) (۴۳)  
 ”ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو۔“

((حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَحْلُفُ فِي امْرَأَةٍ رَجُلٍ مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فَيُخَوِّنُهُ فِيهَا إِلَّا وَقَفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَخَذَ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ، فَمَا ظَنُّكُمْ؟)) (۴۴)

”مجاہدوں کی خواتین جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ایسی حرام ہیں جیسی اُن کی مائیں اُن پر حرام ہیں۔ پھر جو کوئی خواتین کی نگہبانی کے لیے گھر پر رہا، اب اگر اُس نے کسی مجاہد کے گھر میں خیانت کی تو اسے کھڑا رکھا جائے گا قیامت کے دن یہاں تک کہ یہ مجاہد اُس کے عملوں میں سے جس قدر اور جو چیز چاہے گا لے لے گا۔ پھر کیا گمان ہے تمہارا؟ (یعنی تم کیا سمجھتے ہو وہ کچھ چھوڑے گا؟ نہیں، بلکہ سب نیکیاں لے لے گا)۔“

((إِيَّاكُمْ وَالْمُخَوَّلَ عَلَى النِّسَاءِ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَفَرَأَيْتِ الْحَمُو؟ قَالَ: ((الْحَمُو الْمَوْتُ)) (۴۵)

”تم (نامحرم) خواتین کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملہ میں بہت احتیاط کرو)۔“ ایک انصاری شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سسرالی رشتہ داروں (یعنی دیور وغیرہ) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سسرالی رشتہ دار تو بالکل موت اور ہلاکت ہیں (یعنی اُن سے ناموس کو زیادہ خطرہ ہے)۔“

(جاری ہے)

## حواشی

- (۱) سنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب حب النساء۔
- (۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب حق الیتیم۔
- (۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب۔
- (۴) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا ینکح الاب وغيره البکر والثیب الا برضاها۔  
وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر  
بالسکوت۔
- (۵) صحیح البخاری، کتاب الاکراه، باب لا یجوز نکاح المکره۔
- (۶) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة۔
- (۷) مسند احمد۔
- (۸) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔
- (۹) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب المرأة راعية فی بیت زوجها۔ وصحیح مسلم،  
کتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق۔
- (۱۰) سنن البيهقي۔



- ٩
- (١١) معجم الطبراني -  
(١٢) سنن البيهقي -  
(١٣) سنن البيهقي -  
(١٤) سنن البيهقي -  
(١٥) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوماً على حدة في العلم -  
(١٦) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب خروج الصبيان الى المصلى -  
(١٧) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب في قوله تعالى: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ -  
(١٨) سنن النسائي، كتاب النكاح، باب اي النساء خير -  
(١٩) سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب افضل النساء -  
(٢٠) سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب ومن سورة التوبة -  
(٢١) سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب قيام الليل -  
(٢٢) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الى من ينكح واى النساء خيروما يستحب ان يتخير - وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل نساء قريش -  
(٢٣) طبراني -  
(٢٤) سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء فى كراهية خروج النساء فى الزينة -  
(٢٥) مسند احمد -  
(٢٦) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب حج النساء -  
(٢٧) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب فى كم يقصر الصلاة - وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره -  
(٢٨) سنن ابى داود، كتاب الادب، باب فى مشى النساء مع الرجال فى الطريق -  
(٢٩) سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى خروج النساء الى المسجد -  
(٣٠) سنن الترمذي، كتاب الادب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى كراهية خروج المرأة متعطرة -  
(٣١) سنن ابى داود، كتاب الترجل، باب ما جاء فى المرأة تطيب للخروج -  
(٣٢) سنن الترمذي، كتاب الادب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى طيب الرجال والنساء -  
(٣٣) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال -  
(٣٤) موطا مالك، كتاب الجامع، باب ما جاء فى البيعة -  
(٣٥) موطا مالك، كتاب الجامع، باب ما جاء فى البيعة -  
(٣٦) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب تحريم النظر الى العورات -  
(٣٧) صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب نظر الفجاءة -

- ٣٨) صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب التصفيق للنساء. وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسييح الرجل وتصفيق المرأة اذا نابهما شىء فى الصلاة.
- ٣٩) سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء فى كراهية الدخول على المغيبات.
- ٤٠) مسند احمد.
- ٤١) مسند احمد.
- ٤٢) سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء فى كراهية الدخول على المغيبات.
- ٤٣) سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء فى كراهية الدخول على المغيبات.
- ٤٤) سنن النسائى، كتاب الجهاد، باب حرمة نساء المجاهدين.
- ٤٥) صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب لا يدخلون رجل بامرأة الا ذو محرم والدخول على المغيبة. وصحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالاجنبية والدخول عليها.

# چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر اجر عظیم

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نیکی کے کچھ کام بظاہر معمولی نظر آتے ہیں مگر ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے لوگ ایسے کاموں کو حقیر سمجھ کر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس طرح بہت بڑے اجر و ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ حالانکہ معمولی اور آسان کام جو اجر کے اعتبار سے عظیم ہو اُس کی طرف توجہ کرنا چاہیے اور اُس کی انجام دہی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم اُس کام کی طرف سب کام چھوڑ کر متوجہ ہو جاتے ہیں جس میں روپے پیسے کا غیر معمولی نفع نظر آ رہا ہو۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ دُنیا کے معمولی نفع کی خاطر انسان لے لے سفر اختیار کر لیتا ہے، بلکہ بڑے بڑے خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دُنیا کا مال و متاع اور مفاد جس قدر بھی ہو وہ متاعِ قلیل، غیر حقیقی اور فانی ہے، جبکہ آخرت کا نفع حقیقی، دائمی اور ابدی ہے جس کے مقابلہ میں دُنوی مفاد کی کوئی حیثیت نہیں۔ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اُن آسان کاموں کی طرف دھیان دیں جن پر اسلامی تعلیمات کے اندر بڑے اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے بہت لمبی چوڑی جدوجہد کرنا پڑے، بلکہ بعض اوقات تو معمولی سی کاوش سے دوسرے کا دل خوش کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کا اپنے کسی عزیز رشتہ دار کے ساتھ اختلاف ہو گیا ہے اور وہ اس صورت حال میں پریشان ہے، ایک آدمی آگے بڑھ کر دونوں کے درمیان غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے اُن کے درمیان اُلفت و مودت کا رشتہ دوبارہ قائم کر دیتا ہے تو بظاہر یہ چھوٹا سا عمل بہت بڑی نیکی ہے، کچھ عجب نہیں کہ اُس کا یہ عمل اُسے جنت میں لے جائے۔ ذیل میں ہم ایسے چند اعمال کا ذکر کرتے ہیں جو بظاہر چھوٹے نظر آتے ہیں مگر قرآن و حدیث کی رو سے ان کا اجر بہت عظیم ہے۔

دوسروں کو فائدہ پہنچانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَضَىٰ لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي حَاجَةً يُرِيدُ أَنْ يَسْرَهُ بِهَا فَقَدْ سَرَنِي، وَمَنْ

سَرَنِي فَقَدْ سَرَّ اللَّهُ، وَمَنْ سَرَّ اللَّهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ)) (۱)

”جس شخص نے میری امت میں سے کسی انسان کو خوش کرنے کے لیے اس کا کوئی کام کیا تو اُس نے مجھے خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((مَنْ أَعَاتَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ ثَلَاثًا وَسَبْعِينَ مَغْفِرَةً، وَاحِدَةً فِيهَا

صَلَاحُ أَمْرِهِ كُلُّهُ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ لَهُ دَرَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲)

”جو شخص کسی مصیبت زدہ انسان کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ۳۷ مغفرتیں لکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک مغفرت اس شخص کی اصلاح حال اور خوشحالی کے لیے کافی ہے اور باقی ۳۶ مغفرتیں اس کے لیے قیامت کے دن بلندی درجات کا ذریعہ ہوں گی۔“

## یتیم پر شفقت

یتیم بچہ شفقتِ پداری سے محروم ہے۔ وہ محزون اور مغموم ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں مدد کرے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن جس شخص کو اُس کی مالی امداد کی استطاعت نہیں، مگر وہ پیار اور شفقت کے جذبات کے ساتھ اُس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتا اور محبت و رافت کا ہاتھ اُس کے سر پر رکھتا ہے تو اُس کا یہ عمل بھی بے انتہا ثواب کا باعث بن جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

”جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کے سر پر صرف اللہ کی رضا کی خاطر شفقت سے ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرے گا اُن کی تعداد کے برابر اس شخص کو نیکیاں ملیں گی۔“ (۳)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں (انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی) کو ملایا اور فرمایا: ”جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کا نگران ہو اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو میں اور وہ شخص جنت میں ان دو انگلیوں کی مانند قریب ہوں گے۔“ دیکھئے یتیم کے سر پر پیار، محبت

ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا کتنا آسان کام ہے، مگر اس کا اجر و ثواب کتنا عظیم ہے۔ ہاتھ کے نیچے تو لاکھوں کی تعداد میں بال ہوں گے، چنانچہ یہ معمولی سا عمل لاکھوں نیکیوں کا سبب بن جائے گا۔ اور اگر کسی نے ایک بے سہارا یتیم کو اپنے ہاں رکھ لیا اور اُس کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لی تو یہ عمل اُس کی مغفرت کا باعث بن جائے گا۔ اور یہ کام بھی زیادہ مشکل نہیں، کیونکہ جہاں وہ اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتا ہے اس یتیم کی کفالت بھی کر لے گا، اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی روزی میں برکت ڈال دے گا اور یتیم کا وجود اُس کے لیے بار نہیں ہوگا بلکہ سعادت کا باعث بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ  
إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ لَهُ)) (۴)

”جو شخص کسی یتیم کو بلا کر اپنے کھانے پینے میں شریک کر لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس نے ناقابل بخشش گناہ (یعنی شرک و کفر) کیا ہو۔“

اور یہ بات تو اصولاً طے ہے کہ جس کی موت کفر اور شرک پر واقع ہو اُس کے لیے بخشش نہیں۔ حصول جنت کا کتنا آسان ذریعہ ہے کہ کسی یتیم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی جائے اور اپنے بچوں کی طرح اُس کی ضروریات کو بھی پورا کیا جائے۔

### بیت اللہ کو تکلنا

بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ روئے زمین پر بسنے والے مسلمان اُس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہر صاحب حیثیت پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ جو شخص حج کی خاطر مکہ معظمہ پہنچے گا وہ خوش نصیب خانہ کعبہ کا طواف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو خصوصی فضیلت سے نوازا ہے۔ حرم شریف میں ذکر و اذکار، نماز اور طواف بلاشبہ بڑے اجر کے کام ہیں، مگر خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر اُسے تکتے رہنا بھی ثواب کا موجب ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ان الله خلق لهذا البيت عشرين ومائة رحمة ينزلها في كل يوم،  
فستون منها للطائفين واربعون للمصلين وعشرون للناظرين. (۵)

”اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے لیے ایک سو بیس رحمتیں پیدا فرمائی ہیں جو ہر روز اُس پر نازل فرماتا ہے۔ پس ان میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں، چالیس رحمتیں نماز پڑھنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے ہیں۔“

یوں جو شخص بیت الحرام تک پہنچ گیا وہ محض اللہ کے گھر کی طرف عقیدت کے ساتھ تکتا رہے تو بھی ثواب حاصل کرتا ہے۔

### احترام قبلہ

حدیث میں ہے کہ جو شخص غلطی سے کعبہ کی جانب مُنہ کر کے رفع حاجت کے لیے بیٹھ گیا، پھر بیٹھے بیٹھے اُسے خانہ خدا کی عظمت کا خیال آیا تو اُس نے اُسی وقت اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا تو اٹھنے سے پہلے اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ دیکھئے یہ کتنا معمولی سا عمل ہے مگر احترام حرم کے احساس نے اُس کو کتنا عظیم بنا دیا! (۶)

### ماں باپ کو محبت سے دیکھنا

اللہ کی رحمت کا اندازہ لگائیے کہ خانہ کعبہ تک تو بہر حال وہی پہنچ سکتے ہیں جو صاحبِ استطاعت ہوں، مگر جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے اُن کے لیے بھی ثواب کمانے کا آسان طریقہ ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ بڑا اجر و ثواب پاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( مَا مِنْ وُلْدٍ بَارٍ يَنْظُرُ إِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً )) قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ)) (۷)

”جو نیک بیٹا اپنے والدین کو بنظرِ رحمت دیکھے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ لیتے ہیں۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی ایک دن میں سو مرتبہ دیکھے (تو کیا اسے سو حج مبرور کا ثواب ملے گا)؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں اور بہت پاکیزہ ہیں۔“

یوں نیکو کاری بیٹے یا بیٹیاں بڑی آسانی سے اپنے گھر کے اندر رہ کر صبح و شام اجرِ عظیم حاصل کرتے رہتے ہیں۔

## سلام کرنا

مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ یہ سلام کہنا بذات خود بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے، حالانکہ بظاہر یہ عمل بالکل معمولی نظر آتا ہے۔ اکثر لوگ اس آسان سے عمل کی اہمیت سے بے خبر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی وجہ سے سلام کرنے کا عام رواج تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بلا ضرورت بازار جاتے اور لوگوں کو سلام کرتے اور بعض اوقات خرید و فروخت کے بغیر گھر واپس آ جاتے۔ طفیل بن ابی بن کعب فرماتے ہیں:

”میں ہر صبح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ پھر وہ مجھے صبح صحیح بازار لے جاتے۔ بازار میں جس کے پاس سے گزرتے اُسے سلام کہتے، خواہ کوئی روٹی بیچنے والا ہوتا یا کوئی بڑا تاجر ہوتا یا کوئی مسکین ہوتا یا کوئی اور ہوتا، ہر ایک کو السلام علیکم کہتے تھے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گیا، وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ بازار میں کیا کریں گے؟ نہ تو آپ خرید و فروخت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی سودے کے بارے میں پوچھتے ہیں نہ کسی سے بھاؤ دریافت کرتے ہیں اور نہ بازار کی کسی محفل میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ پس آج آپ ہمارے پاس یہیں بیٹھیں اور باتیں کریں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ”اے طفیل! ہم روزانہ صبح صرف اس غرض سے بازار جاتے ہیں کہ جو مسلمان بھی ملے اُسے السلام علیکم کہیں (اور ثواب پائیں)۔“ (۸)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ”السلام علیکم!“ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”دس“۔ یعنی اس شخص کو دس نیکیاں ملیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اُس نے کہا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ!“ آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”بیس“۔ یعنی اس شخص کو بیس نیکیاں مل گئیں۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا اور اُس نے کہا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!“ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ”تیس“۔ یعنی اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ (۹)

آپ نے دیکھا کہ اتنے آسان عمل کا کتنا بڑا ثواب ہے!

## روزے دار کا اجر؛ جب اُس کے سامنے کھانا کھایا جائے

ایک شخص روزے سے ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی ایسا شخص کھانا کھاتا ہے جو کسی عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکا تو اس روزہ دار کو بڑا ثواب ملتا ہے، اس لیے کہ پاس ایک شخص کھانے سے بھوک مٹا رہا ہے مگر اسے کھانے کی اجازت نہیں اور وہ اللہ کی رضا کے لیے بھوک پیاس برداشت کر رہا ہے۔ اس وقتی سے صبر پر بھی روزہ دار اجر پار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے تو کسی معذور غیر روزہ دار کو اپنے پاس بلا کر اسے کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تاکہ اجر عظیم حاصل کریں۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَدَمَتْ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ: ((كُلِي)) فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ الصَّائِمَ تَصَلَّى عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا أَكَلَ عِنْدَهُ حَتَّى يَفْرُغُوا)) (۱۰)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو کھانا پیش کیا، پس آپ نے فرمایا: ”اُمّ عمارہ! تم بھی کھاؤ“۔ انہوں نے کہا: میں تو روزے سے ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب روزہ دار کے پاس کچھ کھایا جائے تو کھانا کھانے والوں کے فارغ ہونے تک فرشتے اس روزہ دار کے لیے رحمت اور بخشش کی دُعا کرتے رہتے ہیں“۔

## اترا ہوا لباس صدقہ کرنا

صدقہ وغیرات تو بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں۔ اسی طرح کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا بھی اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ جب کوئی شخص نیا کپڑا پہنے اور اپنا پرانا کپڑا اتار کر کسی ضرورت مند کو دے دے تو اس معمولی سے عمل پر اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔ جب نیا کپڑا مل جائے تو پرانا کپڑا اتالو ہو جاتا ہے۔ یہ فالتو کپڑا صدقہ میں دے دینا کوئی بڑا عمل نہیں، مگر اس پر اجر عظیم اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت کا مظہر ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیا لباس زیب تن کیا اور یہ الفاظ کہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَاتَّجَمَلُ بِهِ فِي حَيَاتِي (۱۱)



”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور زینت حاصل کرتا ہوں۔“

پھر اپنے اتارے ہوئے پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا اور کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

((مَنْ لَبَسَ ثَوْبًا جَدِيدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَاتَّجَمَلُ بِهِ فِي حَيَاتِي ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِي أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ كَانَ فِي كَنْفِ اللَّهِ وَفِي حِفْظِ اللَّهِ وَفِي سِتْرِ اللَّهِ حَيًّا وَمَيِّتًا)) (۱۲)

”جو شخص کوئی نیا لباس پہنے، پھر مذکورہ بالا دعا پڑھے اور پرانا لباس اتار کر صدقہ کر دے تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت اور اس کی حفاظت میں ہوگا۔“

## کھانے کا برتن صاف کرنا

اسلام صفائی، ستھرائی، نظافت اور طہارت پر بڑا زور دیتا ہے۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ کھانا کھانے والا صاف ستھرے ہاتھوں کے ساتھ بلا تکلف کھانا کھا سکے۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ لینا بھی مستحسن عمل ہے۔ اس سے انگلیوں کے ساتھ لگی ہوئی غذا بھی ضائع نہیں ہوگی اور انگلیاں بھی صاف ہو جائیں گی۔ اسی طرح کھانے کے برتن کو بھی اچھی طرح صاف کر دینا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھانے کے بعد انگلیاں اور برتن چاٹنے اور صاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((إِنَّكُمْ لَا تَذُرُونَ فِي آيَةِ الْبَرَكَهَةِ)) (۱۳)

”تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصے اور ذرے میں برکت ہے۔“

پس اس بُرے رواج کو چھوڑ دینا چاہیے کہ کھانے کے برتن میں کھانا چھوڑ دیا جائے یا اچھی طرح صاف نہ کیا جائے۔ اسی طرح کھانا کھا کر ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے۔ کئی دیگر حکمتوں کے علاوہ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے والی غذا کی قدر کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَكَلَ فِي قِصْعَةٍ ثُمَّ لَحَسَهَا اسْتُغْفِرَتْ لَهُ الْقِصْعَةُ)) (۱۴)

”جو شخص کسی برتن میں کھانا کھا کر اُسے اچھی طرح صاف کر لے اور چاٹ لے تو وہ برتن اس شخص کے لیے بخشش و مغفرت کی دعا مانگتا ہے۔“

## گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا

اگر کھانا کھاتے وقت لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا برکت کا باعث ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتَّى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ فَإِذَا سَقَطَتْ مِنْ أَحَدِكُمْ اللَّقْمَةُ فَلْيَمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَدَى ثُمَّ لِيَاكُلْهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ فَإِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ تَكُونُ الْبُرْكَاتُ)) (۱۵)

”شیطان اپنے ہر مناسب موقع پر تمہارے پاس حاضر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اُسے چاہیے کہ گرد وغیرہ صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لیے نہ چھوڑے، پھر کھانا کھانے سے فارغ ہو کر اپنی انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ اسے یہ پتا نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔“

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا، برتن صاف کر دینا اور گرا ہوا لقمہ صاف کر کے کھا لینا چنداں مشکل نہیں، مگر اس پر مغفرت اور برکت کا حاصل ہونا کتنی بڑی بات ہے!

## مریض کی عیادت

بیماری انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔ مریض بیماری کی تکلیف میں ہمدردی اور حوصلہ افزائی کا طالب ہوتا ہے۔ چنانچہ مریض کی عیادت اگر پورے آداب کے ساتھ کی جائے تو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، جبکہ مریض کی عیادت ایک آسان سا کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ أَتَى أَخَاهُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشَى فِي خَرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَجْلِسَ، فَإِذَا جَلَسَ عَمَّرَتْهُ الرَّحْمَةُ، فَإِنْ كَانَ عُدْوَةً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمَسِّيَ، وَإِنْ كَانَ مَسَاءً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ)) (۱)

”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تیمارداری کے لیے آتا ہے گویا وہ ایک طرح سے جنت کی طرف آ رہا ہے یہاں تک کہ وہ مریض کے پاس بیٹھ جاتا ہے، پس جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر وہ صبح کے وقت

مریض کی عیادت کے لیے آتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کو آئے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ وَعَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوعِدَ مِنْ

جَهَنَّمَ مَسِيرَةَ سَبْعِينَ خَرِيفًا)) (۱۷)

”جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر محض ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے جائے تو وہ دوزخ سے ستر سال کی مسافت کے برابر دور کر دیا جاتا ہے۔“

اتنی معمولی سی بات پر دوزخ سے دُوری اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کی ہی مظہر ہو سکتی ہے۔

### نماز جنازہ میں شرکت

دوست احباب یا اعزہ و اقارب میں سے جب کوئی فوت ہو جائے تو اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ کسی کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا ایک اخلاقی تقاضا، شرعی ذمہ داری اور میت کا حق ہے۔ چنانچہ اس فریضے کی ادائیگی بھی بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے، حالانکہ اس میں نہ زیادہ وقت لگتا ہے اور نہ ہی کوئی بڑی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ جَنَازَةً فَلَهُ قِيرَاطٌ ، فَإِنْ شَهِدَ دَفَنَهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ ،

الْقِيرَاطُ مِثْلُ أُحُدٍ)) (۱۸)

”جو آدمی کسی (مسلمان میت) کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرے تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا، اور اگر میت کے دفن ہونے تک ساتھ رہے تو اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔ (آپ نے فرمایا) ایک قیراط کی مقدار اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔“

اس قدر معمولی مشقت پر اتنے بڑے ثواب کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی جنازے کے ساتھ ضرور شرکت کرے اور اگر ہو سکے تو دفن تک وہاں موجود رہے۔

### نمازِ جمعہ کی تیاری اور شرکت

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اسلام میں طہارت اور نظافت کی بڑی اہمیت ہے۔ اعضائے وضو تو ہر نماز کے وقت دھونے ہوتے ہیں۔ البتہ غسل کرنا جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کی تیاری کا

حصہ ہے۔ جمعہ کے دن صبح اٹھ کر غسل کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا وغیرہ سارے صفائی اور ستھرائی کے کام ہیں جس سے انسان کی طبیعت میں بشاشت اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر بھی کریم و رحیم پروردگار اپنی شان کے مطابق اجر و ثواب سے نوازتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَفَّرَتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ وَخَطَايَاهُ فَإِذَا اخَذَ فِي الْمَشْيِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَشْرُونَ حَسَنَةً، فَإِذَا انْصَرَفَ مِنَ الصَّلَاةِ أُجِيزَ بِعَمَلِ مِائَتِي سَنَةٍ)) (۱۹)

”جو شخص جمعہ کے دن غسل کر لے اس کے گناہ اور خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں، پھر جب وہ چل کر (مسجد کی طرف) جاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے بیس بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، پھر جب نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر جاتا ہے تو اس کو دو سو سال کے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔“

نماز جمعہ کی تیاری کے ضمن میں غسل کرنا کس قدر معمولی عمل ہے، مگر اجر و ثواب کے اعتبار سے یہ کام کتنی بڑی فضیلت کا حامل ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے!

### جمعہ کے دن جلدی مسجد جانا

ہفتے میں ایک دن یعنی یوم الجمعہ خصوصی عبادت اور فضیلت کا دن ہے۔ اس روز ظہر کی چار رکعتوں کے بجائے جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز سے قبل خطیب وعظ کرتا ہے جس میں دین کی تعلیمات حاضرین کو سنائی جاتی ہیں۔ اگرچہ خود جمعہ بڑا بابرکت دن ہے مگر اس دن خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے مسجد میں پہنچ جانا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں۔ اوّل وقت دو پہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی ہے، اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی اور اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی۔ پھر جب امام

خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔“ (۲۰)

## راستے سے رکاوٹ دُور کرنا

دوسروں کی خیر خواہی اسلامی اخلاق کی ایک اہم شق ہے۔ اس خیر خواہی کے سلسلے میں ادنیٰ سے ادنیٰ عمل بھی ثواب سے خالی نہیں۔ راستے پر بعض اوقات کوئی روڑہ پتھر کا ٹکڑا یا کانٹے دار درخت کی شاخ پڑی ہوتی ہے۔ اگر اس خیال سے وہ روڑہ پتھر یا کانٹا راہ سے ہٹا دیا جائے کہ راگبیر پتھر سے ٹھوکر نہ کھا جائیں یا کسی کے پاؤں میں یا گاڑی کے ٹائر میں کانٹا نہ چبھ جائے تو یہ معمولی سا عمل بڑے اجر کا باعث ہے۔ اور کیا عجب کہ یہی چھوٹا سا عمل کسی کی بخشش کا سبب بن جائے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ عُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخْرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ)) (۲۱)

”ایک شخص نے راستے میں کانٹے دار شاخ دیکھی اور ہٹا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو قبول فرما کر اسے بخش دیا۔“

## تلاوتِ قرآن مجید

قرآن مجید کی تلاوت کس قدر آسان سا کام ہے! چند منٹوں میں درجنوں آیات بآسانی تلاوت کی جا سکتی ہیں۔ اس عمل کے اجر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا

أَقُولُ ”الم“ حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَا مٌ حَرْفٌ وَمِمْ حَرْفٌ)) (۲۲)

”جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور ایک نیکی اللہ کے

ہاں دس نیکیوں کے برابر ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے بلکہ

”الف“ ایک حرف ہے ”لام“ ایک حرف ہے اور ”میم“ ایک حرف ہے۔“

یوں الم پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں۔ پس جو شخص چند منٹ تلاوت کر لے وہ ڈھیروں نیکیاں کما سکتا ہے۔

## روزہ افطار کرانے کا ثواب

رمضان ماہِ صیام ہے۔ مسلمان اس میں روزہ رکھتے ہیں۔ صبح صادق کے وقت سحری کھا

کر سارا دن کچھ کھانا پینا نہیں ہوتا۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی افطاری کا وقت ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے اُس وقت بھوک زوروں پر ہوتی ہے ایسی حالت میں کسی روزہ دار کو کھانے پینے کا سامان فراہم کرنا (اگرچہ وہ سامان قلیل ہی ہو) بہت بڑی نیکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ فَطَرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا)) (۲۳)

”جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کو روزہ دار ہی کے مثل ثواب ملے گا، اس حال میں کہ روزہ دار کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی۔“

ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا تو مشقت کا کام ہے مگر افطار کرانا تو معمولی سی بات ہے جس پر پورے روزے کا ثواب اللہ کی رحمت اور مہربانی ہی کا مظہر ہے۔ اور روزہ تو محض پانی یا لسی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے بھی افطار کرایا جاسکتا ہے۔

### با وضو سونا

صاف ستھرا رہنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس سے انسان کی طبیعت تروتازہ اور ہشاش بشاش رہتی ہے۔ اسلام میں نماز سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے۔ وضو میں ہاتھ پاؤں، چہرہ اور بازو دھوئے جاتے ہیں جس سے صفائی حاصل ہوتی ہے اور انسان پاکیزگی اور تازگی محسوس کرتا ہے۔ وضو جہاں پاکیزگی کا باعث بنتا ہے وہاں اس سے اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

صلحاء اور اتقیاء کا معمول ہے کہ وہ اکثر با وضو رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جو شخص با وضو ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بستر پر سو جائے اور رات کو کروٹ بدلتے

ہوئے یا ویسے ہی بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کے نیک امور میں

سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے عنایت فرمادیتے ہیں اور ایک فرشتہ

ساری رات اس کے پاس رہتے ہوئے اس کے لیے دعا کرتا رہتا ہے کہ اے اللہ!

اب اس بندے کو بخش دے، کیونکہ یہ با وضو سویا ہے۔“ (۲۴)

### مقروض کو مہلت دینا

مسلم شریف کی ایک حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے

ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”اگلی اُمتوں میں سے ایک شخص سے اُس کی وفات کے بعد فرشتوں نے پوچھا: کیا

تو نے کوئی نیک عمل کیا؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ فرشتوں نے کہا: یاد کر (شاید کوئی نیک عمل یاد آجائے)۔ کہنے لگا: میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، میں نے اپنے ملازموں کو تاکید کر رکھی تھی کہ تنگ دست کو مہلت دیا کرو اور آسودہ حال سے نرم برتاؤ کیا کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: (اے فرشتو!) تم بھی میرے بندے سے درگزر کرو“۔ (۲۵)

دیکھئے قرض معاف تو نہیں کیا جا رہا، بلکہ تنگ دست سے سختی کے ساتھ تقاضا نہ کرنے اور کچھ مہلت دینے سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس آدمی کا کسی دوسرے آدمی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لیے اُسے مہلت دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔“ (۲۶)

چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہے، لہذا جو شخص اُس کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اُس پر وہ خوش ہوتا ہے۔ خدمت خلق کے ضمن میں چھوٹے چھوٹے کاموں پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اجر عطا کرتا ہے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، یا کسی تنگ دست کو لباس مہیا کرنا اللہ کی خوشنودی کے کام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَيَّ مَعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) (۲۷)

”جس نے کسی شخص سے دنیا کے دکھوں میں سے ایک دکھ دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دکھوں میں سے ایک دکھ اُس شخص سے دور کر دے گا، اور جس نے تنگ حال شخص پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرما دے گا، اور جس شخص نے کسی مسلمان (کے عیب) پر پردہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“

### مسواک کرنا

مسواک کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ نہ اس میں جسمانی مشقت ہے اور نہ کوئی پیسہ خرچ ہوتا ہے، بلکہ اس عمل سے دانت مضبوط ہوتے ہیں، منہ میں تعفن پیدا نہیں ہوتا اور انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر اس معمولی سے کام کا اجر دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو کے موقع پر مسواک کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ مسواک کے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے، مگر مسواک کر کے جو وضو کیا جائے گا اُس وضو کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا مرتبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں ستر گنا فضیلت رکھتی ہے جو بلا مسواک پڑھی جائے۔“ (۲۸)

عربی محاورے میں ستر کا لفظ کثرت کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ یہاں سبعین کا لفظ ستر ہی کے معنوں میں ہو۔ تو اگر بندہ ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو کرے اور مسواک بھی کرے تو اس طرح ایک دن میں پڑھی جانے والی پانچ نمازیں اجر کے اعتبار سے ۳۵۰ نمازوں کے برابر شمار کی جائیں گی۔ اللہ کی رحمت تو بے حد وسیع ہے، وہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب عطا فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ کثرت سے مسواک استعمال کرتے۔ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ لَا اَنْ اَشَقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَا مَرْتُهُمْ بِالْمَسْوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ))

”اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ میری اُمت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت انہیں مسواک کا حتمی حکم دے دیتا۔“

## فوت شدگان کے لیے استغفار

موت ایک اہل حقیقت ہے۔ ہر شخص کو دارالعمل سے دارالبقاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ وہاں اپنے اعزہ و اقارب، دوست و احباب کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ صرف اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ جو شخص وفات پا جاتا ہے اب اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کسی طور سے اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر سکے۔ مگر زندہ لوگ مرنے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کر کے انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں والدین اور جملہ مسلمانوں کے لیے ان الفاظ میں دُعا سکھائی ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْ وَاَلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراہیم) ”اے رب ہمارے! بخش دیجو گناہ میرے، میرے والدین کے اور تمام مومنوں کے جس دن حساب کتاب قائم ہوگا۔“ صاف ظاہر ہے جب یہ دعا خود پروردگار نے سکھائی ہے تو لازماً یہ نتیجہ خیز ہوگی اور فوت شدگان کے حق میں گناہوں کی معافی کا سبب بنے گی۔ مگر رحمت حق کا اندازہ لگائیے کہ دعائے مغفرت کرنے والا اس معمولی سے کام



پر کتنا بڑا اجر پاتا ہے۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لیے ہر مومن مرد اور عورت کے بدلے ایک ایک نینکی لکھی جائے گی“۔ (۳۰)

کلمات استغفار کی فضیلت دیکھئے کہ جس کے حق میں استغفار کیا جائے اُسے بھی گراں قدر فائدہ پہنچتا ہے اور استغفار کرنے والا بھی بے شمار نیکیاں حاصل کر لیتا ہے۔

## شہادت کا ثواب

شہید فی سبیل اللہ کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں! شہید فی سبیل اللہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو اور مارا جائے۔ مقتول فی سبیل اللہ کی فضیلت قرآن و حدیث میں واضح کی گئی ہے۔ شہید کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے بہت سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر شہادت کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے وطن سے دُور حالت سفر کی موت بھی شہادت ہے۔ (۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز صحابہ کو مخاطب کر کے) فرمایا:

”تم لوگ اپنے میں کس کو ”شہید“ شمار کرتے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہ خدا میں قتل کیا گیا وہی شہید ہے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس صورت میں تو میری اُمت کے شہداء تھوڑے ہی ہوں گے..... (سنو!) جو بندہ راہ خدا میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جس بندے کا انتقال راہ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آگئی) وہ بھی شہید ہے اور جس بندے کا طاعون میں انتقال ہوا وہ بھی شہید ہے اور جس بندے کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تھمہ، اسہال، استسقاء وغیرہ) وہ بھی شہید ہے“۔ (۳۲)

اگرچہ موت کی یہ کیفیات انسان کے اپنے بس میں نہیں مگر اس طرح کی حادثاتی اموات پر شہادت کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے جس میں ذرا بھی تعجب نہیں۔

## حواشی

(۱) استعظام الصغائر، از مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی۔

(۲) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

- (٣) مسند احمد و جامع الترمذى -
- (٤) سنن الترمذى، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى رحمة اليتيم وكفالتة -
- (٥) رواه ابن عباس رضى الله تعالى عنهما مرفوعاً تاريخ مكة، ص ٥ -
- (٦) استعظام الصغائر، ص ٢٧، از مولانا محمد موسى روحانى بازى -
- (٧) رواه البيهقى -
- (٨) رواه مالك والبيهقى فى شعب الايمان - ومشكوة، ج ٢، باب السلام -
- (٩) جامع الترمذى و ابوداؤد، بحواله معارف الحديث، ج ٣ -
- (١٠) سنن الترمذى، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى فضل الصائم اذا اكل عنده -
- (١١) سنن الترمذى، كتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب فى دعاء النبى ﷺ -
- (١٢) سنن الترمذى، كتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب فى دعاء النبى ﷺ -
- (١٣) صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب استحباب لقي الاصابع والقصعة واكل اللقمة الساقطة -
- (١٤) سنن الترمذى، كتاب الاطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى اللقمة تسقط -  
وسنن ابن ماجه، كتاب الاطعمة، باب تنقية الصحفة - ومسند احمد -
- (١٥) صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع والقصعة واكل اللقمة والساقطة -
- (١٦) سنن ابن ماجه، كتاب ما جاء فى الجنائز، باب ما جاء فى ثواب من عاد مريضاً -
- (١٧) سنن ابى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل العيادة على وضوء -
- (١٨) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنابة واتباعها -
- (١٩) رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط كذا فى الترغيب والترهيب -
- (٢٠) معارف الحديث، جلد ٣، ص ٢٣٥ -
- (٢١) صحيح البخارى، كتاب الاذان، باب فضل التهجير الى الظهر - وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الشهداء -
- (٢٢) سنن الترمذى، كتاب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فىمن قرأ حرفاً من القرآن ماله من الاجر -
- (٢٣) سنن الترمذى، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى فضل من فطر صائماً -
- (٢٤) طبرانى و ابن حبان -
- (٢٥) معارف الحديث، ج ٧، ص ٤٩٣ - (٢٦) معارف الحديث، ج ٧، ص ٤٩٥ -
- (٢٧) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر -
- (٢٨) شعب الايمان للبيهقى -
- (٢٩) صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة - وسنن الترمذى، كتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى السواك -
- (٣٠) معارف الحديث، ج ٥، ص ٢٠٦ - (٣١) سنن ابن ماجه -
- (٣٢) صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الشهداء -

# فرائض اولاد

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ذی شان دانش خان

## والدین کا مقام

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: ((أُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((أُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((أَبُوكَ))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تیری ماں کا (تجھ پر سب سے زیادہ حق ہے)۔“ اُس صحابی نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا: ”تیری ماں کا۔“ تیسری مرتبہ پوچھنے پر بھی آپ نے یہی فرمایا: ”تیری ماں کا!“ اور چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: ”اب تیرے باپ کا تجھ پر حق ہے!“

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ماں کا حق باپ سے تین درجہ زیادہ ہے۔ کیونکہ ماں نے تکلیفوں پر تکلیفیں جھیل کر اولاد کو جنم دیا ہوتا ہے اور اس کی پرورش کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهَنَا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفَصَّلَتْهُ فِي

عَامِينَ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ ﴿٣١﴾ (لقمن)

”ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو برس میں، (اب تم کو چاہیے) کہ تم میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کرو۔ (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر توحید و عبادتِ الہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ ایک انسان کے لیے اس دنیا میں سب سے زیادہ حُسنِ خلق اور احسان کی روش کی مستحق صرف اور صرف والدین کی ہستی ہوتی ہے۔

## حقوقِ والدین، زندگی میں

### (۱) احترامِ والدین

والدین کی اطاعت اور اُن کا احترام کرنا ہر انسان کی اولین ذمہ داری ہے۔ احترامِ والدین کے اعتبار سے قرآن مجید میں سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۲۵ نقطہٴ عروج کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ قرآن حکیم میں بہت سے دوسرے مقامات پر بھی والدین کے احترام کی تاکید آئی ہے، لیکن اس مقام پر جس قدر وضاحت اور تاکید وارد ہوئی ہے اس کی نظیر دوسرے مقامات پر نہیں ملتی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (آیت ۲۳)

”اور تمہارے پروردگار نے طے کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور

(تیرے رب نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ) والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔“

یہاں پر اللہ پاک نے توحید کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ سب سے بڑھ کر حق تو اللہ کا ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے، خالص اُسی کی بندگی ہو جبکہ معاشرے میں افراد کے درمیان سب سے بڑھ کر حق والدین کا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُلْغَنُ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أِفٌّ وَلَا

تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

”اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو اُن میں سے ایک یا دونوں تو انہیں اُف

تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، اور ان سے نرمی کے ساتھ (ادب سے) بات کرو۔“

یعنی بوڑھے والدین کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنے یا سرزنش کا کوئی کلمہ زبان سے نکالنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں یہ ہدایات اس لیے بھی دی جا رہی ہیں کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ بچہ اور بوڑھا برابر ہوتے ہیں بڑھاپے کی ایک سٹیج ”ارذل العمر“ بھی ہوتی ہے جہاں جسمانی قوی کے ساتھ ساتھ ذہنی قوی بھی جواب دے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی فرمائش پوری کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بھی تم انہیں جھڑک نہیں بلکہ نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرو اور ادب کا دامن نہ چھوٹنے پائے، حتیٰ کہ انہیں ”اُف“ تک کہنے کی اجازت بھی نہیں۔ آگے فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتُنِي

صَغِيرًا﴾

”اور ان کے سامنے اپنے دونوں شانوں کو عاجزی کے ساتھ نیاز مندی سے جھکا دے اور کہہ: اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا ہے اسی طرح تو بھی اُن پر رحم فرما۔“

قرآن مجید نے اس معاملے کو منطقی انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ بوڑھے والدین کے سامنے اپنے دونوں شانوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ جھکا کر رکھو۔ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ آج جبکہ میں کمزور اور لاغر ہوں، میری اولاد میرے سامنے سیدہ تان کر بات کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ ان کے لیے بہت بڑے صدمے کی بات ہوگی۔ کل تک تم ان کی رحمت و شفقت کے مستحق تھے آج وہ تمہاری محبت و شفقت کے مستحق ہیں۔ اس پر بھی بس نہیں، بلکہ یہ سب کچھ کر کے بھی تم یہ نہ سمجھو کہ تم نے ماں باپ کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے، کیونکہ تم اس کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔ لہذا فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے لیے مسلسل دعا بھی کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! اُن پر ویسا ہی رحم فرما جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۗ إِنَّ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ

عَفْوًا﴾

”جو تمہارا علمِ دلوں میں ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے، اگر تم نیکو کار ہو تو وہ تو بہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔“

یعنی اگر تم نیک نیتی سے والدین کی خدمت میں لگے ہوئے ہو، لیکن پھر بھی کوئی کوتاہی ہو جائے

تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

والدین کے ادب واحترام کے ضمن میں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ دوسروں کے والدین اور بزرگوں کا بھی ادب واحترام ملحوظ رکھا جائے، تاکہ معاشرے میں بزرگوں کے ادب واحترام کی روش پیدا ہو اور تمہارے والدین کے ادب واحترام کا دوسرے لوگ خیال رکھیں۔ اس بات کی راہنمائی ہمیں اس حدیث نبویؐ سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ)) قِيلَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ : ((يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ)) (۲)

”یقیناً یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی سب سے بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے (ان کو برا بھلا کہے)۔“ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین کو کیسے برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”آدمی کسی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ جواباً اُس کے باپ اور ماں کو گالی دیتا ہے (تو یہ اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے)۔“

## (۲) اطاعت و خدمت والدین

قرآن مجید اور احادیث کی رو سے والدین کی اطاعت اور خدمت جنت کے حصول کا بہت آسان ذریعہ ہے۔ والدین کی اطاعت کے حوالے سے سورہ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

”اگر وہ دونوں (والدین) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو اُس کو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں اُن کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف بھکا ہوا ہو۔ تم سب کا لوٹنا میری طرف ہی ہے، تو تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔“

یعنی والدین کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے معاملے میں تو ہرگز نہیں کی جائے گی، لیکن پھر بھی دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کی ہدایت

کی گئی ہے۔ اگرچہ والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں، ان کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک سے پیش آنا اولاد کے لیے نہایت ضروری ہے۔ والدین کی خدمت اور اطاعت اس قدر ضروری اور فضیلت کی حامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مواقع پر والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم ٹھہرایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَجَاهِدُ ، قَالَ : (( لَكَ أَبُوَانِ ؟ )) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ :

(( فَيُفِيهِمَا فِجَاهِدُ )) (۳)

”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کیا تمہارے والدین حیات میں؟“ اُس نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: ”پس تو ان میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت کر، یہی تیرے لیے جہاد ہے)۔“

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ”کتاب الادب“ کے ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے:

(( لَا يُجَاهِدُ إِلَّا بِأَذْنِ الْآبَوَيْنِ ))

”کوئی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کرے۔“

البتہ جب جہاد و قتال کے لیے نفیر عام ہو تو صورت حال بدل جاتی ہے۔

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اللہ کے حرام کردہ افعال میں سے ہے اور یہ بات آخرت میں جنت سے محرومی اور خسارے کا سبب بن سکتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

(( إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ ..... )) (۴)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی حق تلفی کو حرام ٹھہرایا ہے.....“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ

عَلَيْهِ رَمَضَانَ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُعْفَرَ لَهُ ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ

أَبَوَاهُ الْكَبِيرَ فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ )) (۵)

”ذلیل و رسوا ہووے شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے! اور ذلیل و رسوا ہووے شخص جس کی زندگی میں رمضان آئے، پھر اس سے پہلے گزر بھی جائے

کہ اس کی مغفرت کر دی جائے۔ اور ذلیل و رسوا ہو وہ شخص جس کے پاس اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں مگر وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرادیں!“

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں والدین کی خدمت اطاعت اور فرمانبرداری سے اُن کے دل خوش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ حدیث کی رو سے باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے اور باپ کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی ہے۔

### (۳) والدین کی مالی امداد

انسان کو چاہیے کہ وہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور مالی طور پر بھی والدین پر کھل کر خرچ کرے۔ خاص طور پر جب والدین بوڑھے ہو جائیں۔ اس حالت میں وہ خود کما نہیں سکتے اور اولاد کے سہارے پر رہ جاتے ہیں۔ اس بڑھاپے کی حالت میں والدین پر خرچ کرنا بہت ہی زیادہ ثواب کا کام ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَاللِّدِينِ

وَالْأَقْرَبِينَ.....﴾ (البقرة: ۲۱۵)

”(اے نبی!) یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دو فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو پس وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے.....“

اولاد کو چاہیے کہ یہ خیال کرے کہ جب اس کے والدین جوان تھے تو انہوں نے کس طرح ان کی پرورش کی! اور جب وہ بوڑھے ہو گئے تو اولاد اُن سے منہ پھیر لے اور ان کی خدمت نہ کرے تو کتنی بڑی زیادتی ہے!

## حقوقِ والدین و وفات کے بعد

والدین کے حقوق ان کی زندگی میں بھی ہیں اور اُن کے وفات پا جانے کے بعد بھی ہیں کیونکہ نیک اولاد اپنے والدین کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ یہ حقوق درج ذیل ہیں:

### (۱) دعا کرنا

اولاد کی دعا والدین کے حق میں مرنے کے بعد اتنا اثر رکھتی ہے کہ اگر والدین ناراضگی کی حالت میں فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ والدین کو ان کی اولاد سے راضی کر دے گا اور اس اولاد کا نام ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دے گا جو والدین کے فرماں بردار تھے۔ جیسا کہ



آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”بندے کے ماں باپ، دونوں یا ان میں سے ایک جاتا ہے اور بندہ ان کا نافرمان ہوتا ہے، پھر اُن کے لیے دعا واستغفار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے سعادت مندوں میں لکھ دیتا ہے۔“ (۶)

اولاد کا والدین کے لیے دُعاے مغفرت کرنا تو ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ذیل میں والدین کی مغفرت کے لیے دعائیں لکھی جا رہی ہیں۔ اُن سے پہلے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاد کے ہر نیک عمل کا ثواب والدین کو بھی پہنچتا ہے، بغیر اس کے کہ اُس کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، لہذا ہمیں اپنی زندگی کو صحیح رُخ یعنی مکمل شریعت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص پانچ وقت کا نمازی ہو گا وہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اپنے لیے اپنے والدین کے لیے اور تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کی دعا تو ضرور کرے گا۔ ذیل میں دو قرآنی دعائیں دی جا رہی ہیں:

(۱) ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي صَلِّ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَنَا﴾ ﴿۱﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ ﴿۲﴾ (ابراہیم)

”اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا اور اے ہمارے رب! ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! میری، میرے والدین کی اور مؤمنین کی حساب و کتاب کے دن مغفرت فرما۔“ (آمین)

(۲) ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾ ﴿۱﴾

”اے میرے رب! ان دونوں (والدین) پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے میری بچپن میں پرورش کی۔“  
ہمیں ان دُعاؤں کو حرز جان بنا لینا چاہیے۔ البتہ یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ صرف موحد والدین کے لیے ہی دُعاے مغفرت کی جاسکتی ہے۔

## (۲) قرض کی ادائیگی

والدین کے فوت ہو جانے کی صورت میں اُن کا قرض اُن کے مال سے فوراً ادا کر دیا جائے، خواہ سارا مال ہی ختم ہو جائے۔ اور اگر انہوں نے مال نہ چھوڑا ہو تو اولاد ان کا قرض ادا کرے۔ اگر پھر بھی ادا نہ ہو سکے تو جو مسلمان بھی احساناً ادا کر دے گا، صحیح ہوگا۔

## (۳) صدقہ کرنا

نیک بچہ جو بھی اچھے کام کرے گا اس کے والدین کو اس کے مساوی اجر ملے گا اور اس

کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی، اس لیے کہ نیک بچہ والدین کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم)

”اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہو۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَإِنَّ وَكَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ) (۷)

”سب سے پاکیزہ غذا آدمی کی اپنی کمائی ہے اور اس کی اولاد اس کی کمائی میں

شمار ہے۔“

اس کے علاوہ کئی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ والد کو نیک بچے کے عمل سے فائدہ ہوتا

ہے، جیسے صدقہ کرنا، روزے رکھنا یا غلام آزاد کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری ماں اچانک

فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہیں کی، میرا لگنا ہے کہ اگر بولتی تو صدقہ کرتی، اگر میں

صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ اور کیا مجھے بھی اس کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ”ہاں!“ (۸)

## (۴) روزے کی قضا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيَّهُ)) (۹)

”جو آدمی مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا قریبی رشتہ دار اُس کی

طرف سے وہ روزے رکھے۔“

اس حدیث سے مراد نذر کے روزے ہیں، رمضان کے فرض روزے نہیں۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ”ایک عورت نے سمندری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے نذرمانی کہ

اگر اللہ تعالیٰ نے سلامت پار لگا دیا تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی، اللہ تعالیٰ نے سلامت

پار لگا دیا، لیکن مرتے دم تک وہ روزے نہ رکھ سکی۔ اس کی کسی قریبی رشتہ دار (بہن یا بیٹی) نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”میرا کیا

خیال ہے کہ اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟“ کہنے لگی: ہاں کرتی۔ تو

آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا قرض تو ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ لہذا اپنی والدہ کے روزوں کی قضا کر۔“ (۱۰)

## (۵) نیک اولاد کے نیک کام

جو کوئی اچھے کام کرے یا اپنے بعد نیک کام یعنی صدقہ جاریہ چھوڑ دے، مرنے کے بعد اس کا اجر سے ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنَسُتِبْ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ (س: ۱۲)

”جو کام انہوں نے کیے وہ سب ہم لکھ رہے ہیں اور جو کام پیچھے چھوڑے (وہ بھی ہم لکھ رہے ہیں۔)“

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ

أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) (۱۱)

”جب انسان مر جاتا ہے تو ان تین چیزوں کے سوا اس کا اعمال نامہ منقطع ہو جاتا ہے: (یعنی ان تین چیزوں کا اجر ملتا رہے گا) جاری رہنے والا نیک عمل (جب تک اس کا فائدہ لوگوں کو ہوتا رہے) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، نیک بچہ جو اس کے حق میں دعا کرے۔“

## (۶) والدین کے رشتہ داروں سے حسن سلوک

انسان کو والدین کی زندگی میں یا مرنے کے بعد ہمیشہ والدین کے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((مَنْ آذَى عَمِّي فَقَدْ آذَانِي فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صَنُو أَبِيهِ)) (۱۲)

”جس نے میرے چچا کو اذی دی اس نے مجھ کو دکھ پہنچایا، کیونکہ چچا باپ کے مثل ہوتا ہے۔“

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے دی اور فرمایا:

”چچا بھی تو باپ ہوتا ہے!“

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بڑا گناہ کیا ہے

کیا میرے لیے کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تیری ماں زندہ ہے؟“ جواب دیا: نہیں۔  
دریافت فرمایا: ”خالہ ہے؟“ جواب دیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اس کے ساتھ اچھا  
سلوک کر، یہی اس کی توبہ ہے!“ (۱۳)

## حواشی

- (۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة۔ و صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدين وانهما احق به۔
- (۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یسب الرجل والديه۔
- (۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یجاهد الا باذن الابوين۔
- (۴) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدين من الکبائر۔
- (۵) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب قول رسول الله ﷺ رغم انف رجل۔
- (۶) سنن البیهقی۔
- (۷) سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب۔
- (۸) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت الیه۔
- (۹) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم۔
- (۱۰) سنن ابی داؤد، کتاب الايمان والنذور، باب قضاء النذر عن الميت۔
- (۱۱) صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما يلحق الانسان من الثوب بعد وفاته۔
- (۱۲) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب العباس بن عبدالمطلب۔
- (۱۳) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی بر الخالة۔

# تقرب الہی کا پسندیدہ ذریعہ

محمد رشید عمر

علم کی بے شمار اقسام ہیں جن کو ہم دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) علومِ صالحہ یا نافعہ (۲) علومِ فاسدہ یا علومِ شر

علومِ صالحہ میں سب سے اونچے درجے کا علمِ عالمی یا عالمِ کتاب و سنت ہے۔ علمِ جتنا صحیح اور وسیع ہوگا اتنا ہی یقین پختہ ہوگا اور پھر ویسے ہی انسان کا عمل ہوگا۔ مثال کے طور پر نو دس سال کا بچہ جو اعداد کے جمع و تفریق اور ضرب و تقسیم کا عمل سمجھتا ہے، آپ اس سے کہیں کہ دو جمع دو آٹھ ہوتے ہیں یا تین ضرب چار کا حاصل بیس ہے، تو بڑے پیارے انداز میں وہ آپ کی تصحیح کر دے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کسی چیز کا علمی احاطہ نہیں کر پاتا تو نہ صرف وہ خود صحیح نتیجہ نہیں جان سکتا بلکہ کسی کے بتانے پر وہ تذبذب کا شکار ہو جائے گا یا صحیح بات کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعَلْمِهِ وَاَلَمْ يَأْتِهِمْ تَاوِيلُهُ﴾ (یونس: ۳۹)

”بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں

اس کی حقیقت۔“

دین اسلام میں انسانی معاملات کا علم ہو یا رسومِ عبودیت کا، اہمیت کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ وہ اعمال جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کی شکل یعنی کرنے کا طریقہ واضح فرما دیا ہے، وہ فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ فرائض اللہ اور بندوں کے حقوق ہیں جو بندے پر عائد ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کے متعلق آخرت میں پوچھ گچھ ہوگی اور کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار انہی پر ہوگا۔ فرائض کی کمی کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے پہلے واجبات، پھر سنن اور پھر مستحبات کا درجہ آتا ہے جن کی ترغیب نبی اکرم ﷺ کے عمل اور تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ ان میں اہمیت کے اعتبار سے واجبات یا سنن

مؤکدہ مستحبات سے بلند درجہ رکھتی ہیں۔ مباحات کا درجہ بہت بعد میں آتا ہے۔ معاملات میں احکامِ الہیہ پر عمل فرض کا درجہ رکھتا ہے؛ جبکہ اخلاقِ حسنہ سے معاملات کی تکمیل سنن و نوافل کا درجہ رکھتے ہیں۔

فرائض و نوافل میں ترتیب اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ فرائض کا تارک اگر چوبیس گھنٹے سنن و نوافل میں گزار دے تو اللہ کی نگاہ میں اس کی دھیلے کی بھی قدر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص فجر کی دو رکعت فرض نماز ادا نہیں کرتا تو چاہے وہ رات بھر نوافل پڑھتا رہے، دن میں ہزاروں تسبیحات کرتا رہے، اللہ کی نظر میں اس کی ذرہ برابر قدر نہیں ہوگی۔ یہی نسبت زندگی کے دوسرے فرائض کی ہے جو اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔ ہم اپنا محاسبہ کریں تو کتنے فرائض اور واجبات ہیں جو ہم چھوڑے ہوئے ہیں! ہمارے ذمہ تو اقامتِ دین اور نفاذِ اسلام کا کام تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا۔ آپ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغِ دین، ہجرت و جہاد اور اظہارِ دین الحق علی الدین کلمہ میں گزری۔ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے ہٹ کر نہیں گزرا۔ لیکن ہماری اجتماعی زندگی میں تو کہیں اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کا کوئی نظام اور کوئی تحریک نظر نہیں آتی۔ من حیث الامتہ کس درجہ میں ہم فرائض ادا کر رہے ہیں؟ فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں مباحات پر عمل کرنا کسی طرح بھی اللہ کی رضا کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا؛ چہ جائیکہ کسی مباح کام کی ترویج کے لیے تحریک برپا کرنا، اس میں شامل نہ ہونے والوں کو قابلِ ملامت سمجھنا، اپنے جلسوں میں ان پر تنقید کر کے تفرقے کی دیواریں اونچی کرنا۔ اربابِ علم دین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا محاسبہ کریں اور اصل کام یعنی فرائضِ دین جن کی عدم ادائیگی سے ہم آخرت میں اللہ کی گرفت کے مستحق بن رہے ہیں اور دنیا میں بھی عزت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، لوگوں کے سامنے واضح کریں اور نوجوانوں کے جذبہٴ عمل کو ان فرائض کی ادائیگی کی طرف موڑ دیں۔ اللہ کی خوشنودی فرائض کی ادائیگی ہی میں مضمر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ قَالَ : مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنَّهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ

عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ

إِلَىٰ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ  
وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ  
سَأَلْتَنِي لِأَعْطِيَنَّكَ وَلَكِنْ اسْتَعَاذَنِي لِأُعِيدَنَّكَ) (۱)

’اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کی میری طرف سے  
اس کے لیے اعلان جنگ ہے۔ میرے بندے کا میرا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ جو  
مجھے سب سے زیادہ پسند ہے وہ ان اعمال کی ادائیگی ہے جو میں نے اس پر فرض کیے  
ہیں۔ البتہ میرا بندہ نوافل کی ادائیگی سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ  
میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کی  
سامعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ  
دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا  
ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر  
میری پناہ مانگے تو ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔‘

اس حدیث مبارکہ میں اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کے کئی گوشوں کی طرف اشارہ کیا  
گیا ہے، لیکن ہمارے سامنے تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل کے نتائج کو سمجھنا ہے۔ فرائض  
کی ادائیگی جماعتی سطح پر کرنی ہے۔ یہاں امیر یا امام کی اطاعت لازم ہے۔ نظم کی پابندی  
ضروری ہے، جیسے نماز باجماعت، اموال ظاہرہ پر زکوٰۃ، روزوں کا اہتمام اور پوری امت کے  
افراد کا صلہ کفریضہ حج ادا کرنا۔ ان اعمال کی ادائیگی میں اپنی مرضی نہیں چلتی۔ لیکن سنن و نوافل  
وہ اعمال ہیں جو انفرادی سطح پر کرنے کے ہیں۔ ان میں جتنا انخلاء ہو سکے اتنا ہی پسندیدہ ہے۔  
یعنی اعمال خیر کو جس طرح ظاہری طور پر بجالانا ہے ویسے ہی انفرادی اور خلوت کے اوقات کو  
اعمال خیر کی فکر میں گزارنا محمود ہے۔ جب انسان انفرادی سطح پر تنہائی میں اللہ کے حضور رکوع و  
سجود کرتا ہے، صدقات و خیرات کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اپنی ذہنی اور قلبی صلاحیتوں  
کو استعمال میں لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اقوال و اعمال کے پس پردہ فوائد و نقصانات  
واضح فرما دیتے ہیں۔ آفاق و انفس پر غور کرنے سے ان کی تخلیق کے پس پردہ اغراض و مقاصد  
اور خالق کائنات کی خفیہ کارفرمائی عیاں ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ معرفت ربانی کے درپے کھلتے  
ہیں ایمان میں تازگی آتی ہے اور بصیرت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ یہی خیر کثیر ہے جسے باری

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع۔

تعالیٰ نے حکمت کہا ہے:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (البقرة: ۲۶۹)

”اور جسے حکمت دے دی گئی اسے تو خیر کثیر حاصل ہو گیا۔“

کلام پاک میں اس کی دو مثالیں بڑی نمایاں ہیں۔ پہلا مقام سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۶۱ تا ۲۸۰ ہیں جہاں انفاق فی سبیل اللہ کی پرزور تائید آئی ہے۔ وہاں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال ایسے ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بویا جائے، اس سے سات بالیں اگیں، ہر بالی پر سو دانوں والا خوشہ لگ جائے۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا اجر ملتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن یہ بات انہی کو سمجھ آ سکتی ہے جن کو حکمت بالغہ عطا کی گئی ہو۔ جن کو یہ حکمت نہیں ملتی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ اور ٹیکس شمار کرتے ہیں اور راندہ درگاہ باری تعالیٰ بن جاتے ہیں۔ حیاتِ رسول ﷺ میں ایک شخص نے مال و دولت میں ترقی کی دعا کروائی، اللہ نے اس کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں اتنی برکت دی کہ وہ مدینہ سے نکل کر باہر کھلی وادی میں رہائش پذیر ہو گیا۔ پہلے صحبت نبویؐ میں جمعہ اور جماعت کی سہولت تھی تو اس سے محروم ہو گیا، پھر زکوٰۃ کی ادائیگی میں لعل سے کام لیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے طرزِ عمل پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ اسے بعد میں غلطی کا احساس ہوا، لیکن موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بعد میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں زکوٰۃ کے جانور لے کر آتا رہا، لیکن شیخین نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن کر رہ گئی۔

کلام پاک میں دوسرا مقام جہاں حکمت کا ذکر آیا ہے، وہ سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع ہے جس میں حکمتِ لقمان کا نچوڑ باری تعالیٰ نے انتہائی بلیغ انداز میں کیا ہے۔ محض فطری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے لقمان حکیم ان نتائج پر پہنچے کہ:

(۱) حقیقی شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلمِ عظیم ہے۔

(۳) والدین غیر مشروط حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

(۴) ہماری زندگی کا ہر عمل اور کائنات کی ہر شے اور معاملہ اللہ اللطیف وخبیر کے علم میں ہے۔

(۵) شکر خداوندی کے لیے نماز کی ادائیگی، اور حقوقِ انسانی کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ اور



فريضة امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۶) انسان کو باقی انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی حیثیت عرفی کا ادراک رہنا چاہیے۔ ان کے لیے فرعون نہ بنے، بلکہ عجز و انکساری اور محبت و شفقت کا پیکر بن کر رہے۔ علم حاصل کرنے کے ذرائع جو اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی میں بنائے ہیں، وہ کان، آنکھ اور دل و دماغ ہیں۔ جبکہ حکمت کے حصول میں فطری صلاحیتیں جنہیں فطرت انسانی کی طبعی اساسات بھی کہہ سکتے ہیں، انسان کے کام آتی ہیں۔ چند نمایاں پیدائشی اور فطری صلاحیتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت فرمائی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱) اعلیٰ سے اعلیٰ کی جستجو کا جذبہ۔

۲) احسان مندی یا جذبہ شکر۔

۳) خیر سے محبت اور شر سے اجتناب۔

۴) ذمہ داریوں کا احساس۔

یہ وہ فطری صلاحیتیں ہیں جن کو جمع کر لیا جائے تو اس کے لیے ایک بہترین لفظ ”تقویٰ“ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان چاہے وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، پیدائشی اور فطری طور پر یہ صلاحیتیں کم یا زیادہ اس میں موجود ہوتی ہیں۔ پھر ماحول اور معاشرہ ہے جو اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر انسان کا کام ہے کہ ان صلاحیتوں کو کتنا اور کس طرح اپنے اندر جاگرتا ہے۔ ایک بندہ مؤمن جب ان صلاحیتوں سے کام لیتا ہے اور سنن و نوافل کا اہتمام کرتا ہے، بالخصوص تہجد کے وقت اللہ کے حضور کھڑا ہو کر آیات الہیہ پر غور و فکر اور خود احتسابی کا عمل اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسے بصیرت باطنی عطا ہوتی ہے اور راہ مستقیم روشن نظر آتی ہے۔ گویا علم و حکمت مل کر نور ہدایت بن جاتے ہیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں درج ذیل نکات اچھی طرح سمجھے جاسکتے ہیں:

۱) سورة البقرة کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا ہدای لِّلْمُتَّقِينَ ہونا۔

۲) نبوت سے پہلے غار میں خلوت نشینی کی حکمت۔

۳) مقام صدیقیت۔

۴) اولیاء اللہ سے کشف و کرامات کا ظہور۔

غور کیجئے ان آیات کریمہ پر:

(۱) ﴿..... إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا﴾ (المائدة: ۹۳)

”..... جب وہ پرہیزگاری کی روش اختیار کریں اور ایمان لائیں (یعنی ثابت قدم رہیں) اور اچھے کام کریں پھر پرہیزگاری کی روش اختیار کریں اور ایمان لائیں پھر تقویٰ اختیار کریں اور احسان کے درجے پر فائز ہوں۔“

(۲) ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا لِنُبَيِّنَ لَكَ مَا فَصَّلْنَا فِي هَذِهِ الْقُرْآنِ لِقَوْمٍ يُعْقِلُونَ﴾ (الشورى)

”اور اسی طرح (اے نبی!) آپ کی طرف ہم نے ایک فرشتہ بھیجا اپنے حکم سے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے رکھی یہ روشنی اس سے ہم راہ بھادیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بے شک آپ سیدھی راہ بھاتے ہیں۔“

(۳) ﴿اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (النور)

”اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ مثال اس کی روشنی کی ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں ہو ایک چراغ۔ وہ چراغ دھرا ہوا ہو ایک شیشے میں۔ وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ ہو چمکتا ہو، تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت والے درخت کا وہ زیتون ہے، نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ۔ روشنی ہے روشنی پر۔ اللہ راہ دکھلاتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔“

(۴) ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ (التقوى)

”جو قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں (باقی صفحہ 96 پر)

1980ء۔ 13 جنوری کو ”یوم جمہوریہ“ کا جشن منانے کی خوشی میں 13 سیاسی قیدیوں اور 200 مجرموں کو رہا کر دیا جاتا ہے۔ صدر کے چالیس حریف گوریلے پیرس میں ٹوگو کے سفارت خانے پر چند روز کے لیے قبضہ کر لیتے ہیں۔

1993ء۔ اگست میں انتخابات ہوئے۔ صدر ایڈیما نے 96 فیصد ووٹ حاصل کیے، لیکن صرف 36 فیصد رائے دہندگان نے ووٹ دیا تھا۔ انتخابات سے ذرا پہلے حزب اختلاف کے لیڈروں نے الیکشن میں حصہ لینے سے احتجاجاً انکار کر دیا تھا۔

1996ء۔ اگست میں وزیراعظم ایڈم کوڈو نے استعفیٰ دے دیا تو منصوبہ بندی کے وزیر کواسی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

1998ء۔ اس سال صدارتی انتخابات ہوئے، جس میں صدر ایڈیما پھر صدر منتخب ہوئے۔ تاہم حزب اختلاف نے دھاندلی کے الزامات لگائے۔

1999ء۔ کوئی یوجین ایدو بولی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

2002ء۔ آئین میں تبدیلی کی گئی تاکہ صدر تیسری بار انتخابات لڑ سکیں۔ کوئی ساما کو وزیراعظم مقرر کیا گیا جو اب تک اس منصب پر فائز ہیں۔

2003ء۔ ایڈیما پھر صدر بن گئے۔ اس لحاظ سے وہ طویل ترین حکمرانی کرنے والے افریقی صدر بن گئے، یعنی چالیس سال مسلسل۔

### بقیہ: تقرب الہی کا پسندیدہ ذریعہ

جنہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔“

اقامتِ صلوة، ادائے زکوٰۃ اور آخرت پر یقین ہدایت کا دوسرا نام ہے۔ لیکن ان فرائض کی ادائیگی انہی لوگوں کے لیے آسان ہوتی ہے جنہیں علم صحیح کے ساتھ ساتھ حکمت کا کوئی حصہ بھی نصیب ہوتا ہے۔ علم صحیح کی عدم دستیابی اور اس کے لیے عدم دسترس کا نتیجہ باطنی بے بصیرتی اور بے حکمتی ہے جو ان لوگوں کے اعمال اور اقوال سے ہر وقت چھلک رہی ہے جو علم کتاب و سنت سے دور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے علومِ شر و فساد کے میدان کو اپنی آماج گاہ بنا لیا ہے۔ ان کی عملی منصوبہ بندیاں، قانون سازی، انجمن سازی اور انتظامی عمل داریاں دنیا کے سامنے ہیں اور یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔ ان کی قیادت میں انسانیت کی تذلیل ہو رہی ہے اور انسانیت اپنی منزل کھوٹی کر رہی ہے۔ بالخصوص اُمتِ مسلمہ نے جب سے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر علومِ شر و فساد کو امام بنایا ہے اس کی کیفیت شتر بے مہار اور بے لنگر کے جہاز کی سی ہو چکی ہے جس کو دوبارہ منزل کی راہنمائی اہل کتاب و سنت پر فرض ہے۔ 00

# جدید دنیا کے اسلام

قسط وار سلسلہ (45)

ٹوگو

(Togo)

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

## ٹوگو : ایک نظر میں

سرکاری نام: جمہوریہ ٹوگو	نی کس سالانہ آمدنی: 1500 ڈالر
رقبہ: 56,785 مربع کلومیٹر	صنعتی شرح ترقی: 3.3 فیصد
آبادی: 58 لاکھ تقریباً (لاہور سے بھی کم)	افراط زر: 6 فیصد
شرح افزائش: 2.33 فیصد	قابل کاشت رقبہ: 47 فیصد
شرح پیدائش: 35 فی ہزار	زراعت: کافی، ککوی، کپاس، چاول، گوشت، مچھلی
گنجانی آبادی: 253 فی مربع میل	معدنیات: فاسفیٹ، سنگ مرمر، چونے کا پتھر
دارالحکومت: لومے (آبادی آٹھ لاکھ)	صنعت: کان کنی، پارچہ بانی، شراب سازی
کرنسی: فرانک	سینٹ زرعی مصنوعات
زبانیں: فرانسیسی، رومی، مینا، کابی وغیرہ	برآمدات: 398 ملین ڈالر (فاسفیٹ، ککوی)
نسلیں: افریقی 99 فیصد، یورپی اور عرب	درآمدات: 501 ملین ڈالر (اشیائے صرف)
ایک فیصد	پٹرولیم، مشینری اور پرزہ جات)
مذہب: قدیم قبائلی مذاہب 50 فیصد۔	تجارتی ساتھی: یورپی ممالک، جاپان، امریکہ
عیسائی 28 فیصد۔ مسلمان 22 فیصد	افریقہ، چین، کینیڈا، تائیوان
شرح خواندگی: 67 فیصد	
مجموع قومی آمدنی: تقریباً 9 ارب ڈالر	

ٹوگو میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اس کے باوجود یہ اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کارکن ملک ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں گھانا، شمال میں برکینا فاسو اور مشرق میں نینن واقع ہیں۔ خلیج گنی کی 32 میل لمبی ساحلی پٹی نشیب میں ہے اور ریتیلی ہے۔ لومے اس ملک کی واحد بندرگاہ اور دارالحکومت ہے۔ ملک کا وسطی علاقہ پہاڑی ہے۔

اپنے دوسرے پڑوسیوں کی طرح ٹوگو کے عوام بھی انتہائی غربت اور اقتصادی بحران کے دن گزار رہے ہیں۔ ٹوگو کی آمدنی کا سب سے بڑا وسیلہ فاسفیٹ کی برآمد تھی، لیکن عالمی منڈی میں فاسفیٹ کی مانگ زیادہ نہیں رہی اور قیمتیں گر گئی ہیں۔ پھر یہ کہ ٹوگو گھانا اور نائیجیریا سے برابر عداوت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں ملک جب چاہتے ہیں ٹوگو کی سرحدیں بند کر دیتے ہیں۔

ٹوگو میں آباد لوگوں کے آباء و اجداد چودھویں صدی میں دریائے نائجر کی وادی سے نقل مکانی

کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ سولہویں صدی میں برازیل کے سیاح اور تاجر یہاں آئے اور انہوں نے رہائشی بستیاں قائم کیں۔ آئندہ دو صدیوں کے دوران میں یورپ کے سوداگر یہاں غلاموں کی تلاش میں آتے رہے اور غلاموں کے جہاز کے جہاز بھر کر یورپ لے جاتے رہے۔ انہوں نے اس علاقے کا نام ہی ”غلاموں کا ساحل“ رکھ چھوڑا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ علاقہ 1884ء میں جرمنی کے زیر انتداب آ گیا۔

1914ء۔ پہلی جنگ عظیم چھڑنے پر ٹوگولینڈ کے مشرقی حصے پر فرانس اور مغربی حصے پر برطانیہ قبضہ کر لیتا ہے۔

1922ء۔ لیگ آف نیشنز (انجمن اقوام) فرانس اور برطانیہ کے مقبوضات کو قانونی شکل دیتی ہے۔

1946ء۔ اقوام متحدہ انتخاب کو ختم کر کے تولیت میں بدل دیتا ہے۔

1956ء۔ برطانوی ٹوگولینڈ گولڈ کوسٹ سے ادغام کرنے کے حق میں ووٹ دیتا ہے۔ فرانسیسی ٹوگولینڈ کو فرانسیسی برادری کے اندر رہتے ہوئے خود مختار جمہوریہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن اقوام متحدہ کی تولیتی کونسل اس طریق کار کو مسترد کر دیتی ہے۔

1958ء۔ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام انتخابات ہوئے۔ اسمبلی میں یونین پارٹی واضح اکثریت سے آ جاتی ہے۔ اس پارٹی کے لیڈر اولمپیو ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوتے ہیں۔

1960ء۔ ٹوگو کو جمہوریہ قرار دیا گیا۔

1963ء۔ 13 جنوری کو یہاں پہلا فوجی انقلاب برپا ہوا، جس میں وزیر اعظم اولمپیو کی

حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ نئی حکومت کے صدر نکولس گرنٹر کی ماؤ مور ہوئے۔

1967ء۔ آرمی چیف آف سٹاف کرنل ایڈیمائی حکومت کا تختہ الٹ کر خود صدر بن گئے اور

آج تک وہی صدر چلے آ رہے ہیں، البتہ بعد میں ”بزل“ بن گئے۔ فوجی حکومت قائم کر دی جاتی ہے۔ آئین منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔

1970ء تا 1977ء۔ ہر سال ایڈیمائی کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش یا بغاوت ہوتی ہے

جسے سختی سے کچل دیا جاتا ہے۔

1979ء۔ ایک ناکام بغاوت کے نتیجے میں 13 سازشیوں کو سزائے موت سنائی جاتی ہے

جن میں سابق صدر اولمپیو کے دو بیٹے بھی شامل تھے جو جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ نیا آئین بنایا جاتا ہے، جس کے تحت نئے انتخابات ہوتے ہیں۔ کرنل ایڈیما آئندہ سات سال تک کے لیے پھر صدر منتخب ہو جاتے ہیں۔

1980ء- 13 جنوری کو ’یومِ جمہوریہ‘ کا جشن منانے کی خوشی میں 13 سیاسی قیدیوں اور 200 مجرموں کو رہا کر دیا جاتا ہے۔ صدر کے چالیس حریف گوریلے پیرس میں ٹوگو کے سفارت خانے پر چند روز کے لیے قبضہ کر لیتے ہیں۔

1993ء- اگست میں انتخابات ہوئے۔ صدر ایڈیما نے 96 فیصد ووٹ حاصل کیے، لیکن صرف 36 فیصد رائے دہندگان نے ووٹ دیا تھا۔ انتخابات سے ذرا پہلے حزب اختلاف کے لیڈروں نے الیکشن میں حصہ لینے سے احتجاجاً انکار کر دیا تھا۔

1996ء- اگست میں وزیر اعظم ایڈم کوڈ جو نے استعفیٰ دے دیا تو منصوبہ بندی کے وزیر کو اسی کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

1998ء- اس سال صدارتی انتخابات ہوئے، جس میں صدر ایڈیما پھر صدر منتخب ہوئے۔ تاہم حزب اختلاف نے دھاندلی کے الزامات لگائے۔

1999ء- کوئی یوجین ایڈوبولی کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

2002ء- آئین میں تبدیلی کی گئی تاکہ صدر تیسری بار انتخابات لڑ سکیں۔ کوئی ساما کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا جو اب تک اس منصب پر فائز ہیں۔

2003ء- ایڈیما پھر صدر بن گئے۔ اس لحاظ سے وہ طویل ترین حکمرانی کرنے والے افریقی صدر بن گئے، یعنی چالیس سال مسلسل۔